جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

اکتوبر رنومبر ۲۰۲۴	جلد نمبر ۲۲	شمارہ ۵	سلسلہ نمبر ۱۹۱، ۱۹۰

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا سید فضیل احمد ناصری

08881347125

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:

فی شمارہ -/30 سالانہ -/360

خصوصی -/1000

تاحیات -/6000

بیرونِ ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

نگراں ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی

09997504588

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484 ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات	سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری	۳

قرطاس و قلم

علمی، تحقیقی و ادبی شہ پارے	حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحبؒ	۷
امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور…	مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی	۱۴
کیا صفات متشابہات میں تاویل…	مولانا ساجد خان نقشبندی	۲۲
حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ	مولانا سید فضیل احمد ناصری	۲۹
فلسطین، مسجد اقصیٰ تاریخی حقائق	مولانا زبیر احمد صدیقی	۴۰
جامعہ کی سرگرمیاں	مولانا سید فضیل احمد ناصری	۴۷

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

نفرتوں کا عروج دیکھیے، مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے اگلتے یہ خبیث الفطرت اب رسولِ خدا تک جا پہونچے۔ ایک عذاب کش اور منحوس ترین سلسلہ۔ فرانس اور ناروے سے ہوتا ہوا اب ہندوستان میں بھی وہی شغلِ نادانی۔ انگاروں سے کھیلنے اور زلزلوں کو دعوت دینے کی کوشش۔ بھاجپا کی نوپور شرما، مہاراشٹر کا رام گری، غازی آباد کا نرسمہانند اور بارہ بنکی کا گستاخ خالق کائنات کے سب سے محبوب پیغمبر، احکم الحاکمین کے سب سے آخری نبی اور مالک کن فیکون کے عطوف ورؤف رسول کی شان میں ہرزہ سرائیاں کر بیٹھا۔ بلا ارادہ نہیں، بالقصد۔ موب لنچنگ، نت نئے مسائل کے انبار لگانے کے بعد بھی آتش غیظ وغضب جوالہ مکھی بن گئی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اس کائنات کی ساری رونق، تمام تر شادابی، جملہ جمال وکمال اسی اکمل واجمل ہستی کا مرہونِ منت ہے۔ سورج کا طلوع وغروب، چاند کی ٹھنڈی روشنی، لیل ونہار کی گردش، چمنستان کی بہجت، پھولوں کی نکہت، غنچوں کی چٹک، لہراتی اور جھومتی ہوئی شاخ گل کی دل کشی، پہاڑوں کی بلندی، چشموں کی روانی، آبشاروں کا حسن ورعنائی، موج درموج سمندر، اچھلتے ہوئے دریا، آسمان کا گنبد دوار، صحرا کی وسعت، بلبل کی شیریں نوائیں، یہ ہوائیں اور فضائیں، یہ فصل گل ولالہ انہیں کی برکت ہے۔ دنیا کے لیے باعثِ رحمت ومایۂ سعادت۔ انسانیت کے لیے سراپا احسان۔ مسیحائے جن وانس۔ مقدس ومکرم۔ اگر ان کی ذات کو بھی طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا گیا تو یہ دریدہ دہنی کی انتہا، مردہ ضمیری کی بدترین مثال اور فطرت کے مسخ ہونے کی واضح ترین دلیل ہے۔ حیرت اس پر ہے کہ مسلمان سراپا احتجاج ہیں۔ ملک کا ہر اہل ایمان بے چین وبے قرار۔ ان کی آنکھوں کی نیند ہرن ہوچکی۔ مرنے کا لطف اور جینے کا مزہ ختم ہوگیا۔ ایف آئی آر کرائی گئی۔ ایک دو نہیں، سیکڑوں، مگر مجرمین ہنوز آزاد۔ گستاخ رسول یتی نرسمہانند نے تو ساری حدیں پار کردیں۔ سیدنا حضرت علی اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پتلے پھونکنے کا قیامت خیز مشورہ دے ڈالا۔

تبت یداہ۔ بجائے اس کے کہ ان ملعونوں کو پکڑا جاتا۔انہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیلا جاتا۔انہیں قرار واقعی سزا دی جاتی۔انہیں تحفظ فراہم ہے۔احتجاج کرنے والے مجرم گردانے گئے۔انہیں گرفتار کر جیل میں ٹھونس دیا گیا۔کسی کو گھر میں نظر بند۔ایسا کب تک چلے گا؟

یہ نا قابلِ تحمل اور جذبات کو مشتعل کرنے والا ہے۔مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں،مگر اللہ اور رسول کی شان میں گستاخی اور اسلام کے خلاف کوششوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔سربراہان مملکت اور ذمہ داران وطن سے دوٹوک کہنا ہے کہ یہ سلسلہ بند کیا جائے۔فوری اور ابھی۔یہ آگ سے کھیلنا ہے۔یہ تباہی کو آواز دینا ہے۔اس سے ملک کی شبیہ بھی داغ دار ہو رہی ہے۔وطنِ عزیز کا امن وامان بھی درہم برہم ہے۔خدا کے لیے سنجیدگی سے کام لیا جائے۔توہین مذہب کا قانون سخت سے سخت بنایا جائے۔قانون صرف بنے ہی نہیں، بلکہ گستاخوں کو سزا بھی ہو، ورنہ برہنہ گفتاروں کی زبانیں یوں ہی دراز رہیں گی اور قانون اپنی بے بسی کا ماتم کرتا پھرے گا۔

❁ .... ❁ .... ❁

فلسطین اور اسرائیل جنگ کو ایک سال ہو گیا۔پچھلے سال اسی ماہ اکتوبر کی ساتویں تاریخ کو فلسطینی مزاحمت کاروں نے اسرائیل سے لوہا لیا تھا۔وہ جنگ اب بھی جاری ہے۔خوں ریز، قیامت خیز۔فلسطینی لٹ پٹ گئے۔کم وبیش پچاس ہزار لوگ موت کی نیند سو گئے۔مکانوں، اسکولوں، ہسپتالوں اور عوامی مقامات کو بھی بم برسا کر ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا۔لاکھوں کلمہ گو در بدر اور خانماں برباد ہو گئے۔جو شہید ہوئے وہ تو ہوئے ہی، زخمیوں کی حالت زار بھی دنیا دیکھ چکی ہے۔بچوں کے چہرے، ان کی آنکھیں، ان کے اعضا ناکارہ ہو کر رہ گئے۔دانے دانے کو ترس گئے۔پانی کے لیے بلبلا اٹھے۔زندگی سراسر ابتلا بن گئی۔یہ ساری دردناک داستانیں اسی رسالے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔اسرائیل یہ سمجھتا تھا کہ یہ نہتے فلسطینی شکست کھا کر بیٹھ جائیں گے۔جھک مار کر اپنی تحریک بند کر دیں گے۔وہ اسرائیل کی جابرانہ قوت کی اطاعت کر لیں گے۔اقصیٰ کے جاں بازوں نے ان کی امیدوں کا قبۂ بیضاء مسمار کر دیا۔اس دوران اسماعیل ہانیہ کو بھی ایران میں شہید کر دیا گیا۔ارادہ یہی تھا کہ ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا، مگر شاہینوں کی پرواز میں کوئی کمی نہیں آئی۔اسماعیل ہانیہ کی جگہ اب یحییٰ آ چکے ہیں۔جوش وہی۔ولولہ وہی۔شوقِ شہادت اور سرفروشانہ جذبہ وہی۔چٹانوں کو پاش پاش کر دینے کا عزم۔پہاڑوں کو ہباءً منثورا کر دینے کی امنگ۔اسرائیل شرمسار ہو گیا۔اب حزب اللہ کے حسن نصر اللہ کا بھی خاتمہ کر دیا۔یعنی بوکھلاہٹ اور کھسیاہٹ کا احمقانہ اظہار۔پہلے فلسطین سے لڑ رہا تھا۔یہ یہود اب ایران سے بھی نبرد آزما ہیں۔ایران نے کچھ حملے

کیے۔ادھر سے جوابی کارروائی۔غرض ایک سال سے جنگ کی ایک آگ ہے جو بجھنے کے بجائے بھڑک رہی ہے۔آتش نمرود کی طرح بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہے۔امریکہ سے کیا توقع باندھیں کہ وہ اسرائیل کو خود ہی کمک دے رہا۔شکایت ہے تو اقوام متحدہ سے۔اس نے اب تک کیا کیا اور کیا کررہی ہے۔یہی اقوام متحدہ ہے جب کسی مسلم ملک سے کوئی سخت بیان آتا ہے تو چراغ پا ہونا اس کا مشغلہ،مگر مغربی اقوام کے سامنے سرخ قالین بن جاتا ہے۔اس فرش خاکی پر مظلوموں کی فریاد سننے والا کوئی نہیں۔مظلوموں کے لیے بس اللہ ہی اللہ ہے۔**الا ان نصر اللہ قریب**۔

❀ .... ❀ .... ❀

سید الاولین والآخرین علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا: **اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ و بین اللہ حجاب**۔ مظلوم کی بددعا براہ راست اللہ تک پہونچتی ہے اور خالق تقدیر ظالموں کو ان کی اوقات بتا دیتا ہے۔فلسطینیوں کی بددعائیں رنگ لانے لگیں۔غزہ اور القدس میں کشت وخون کا بازار گرم کرنے والے یہود اسرائیل میں بھی پُرسکون نہیں اور اب امریکہ میں دو تباہیوں نے انہیں جاں بہ لب کردیا ہے۔امریکہ کی کئی ریاستیں خوفناک طوفانوں کی زد سے کراہ رہی ہیں۔چند دنوں پہلے ایک طوفانی آندھی چلی تھی، جسے ہیلن کہا گیا تھا،اب نئی برق وتجلی نے کہرام مچادیا ہے۔اس قیامت صغریٰ کا نام ملٹن رکھا گیا۔امریکہ کی دو ریاستیں کیرولائنا اور فلوریڈا میں ان دو آندھیوں سے جو تباہی مچی ہے اس سے اب تک کم وبیش 250/ افراد لقمۂ اجل ہوگئے۔یہ دونوں ریاستیں یہود کی اکثریت والی ہیں۔یہ آندھیاں خلاف معمول اٹھنے والی ہوائی لہریں نہیں ہیں۔یہ عذاب ہیں عذاب۔قدرت کا انتقام۔ایسا عذاب کہ دیوقامت درخت لمحوں میں اکھڑ گئے۔بڑی بڑی گاڑیاں تنکوں کی طرح اڑ گئیں۔فیل قامت مکانات،فلک بوس عمارتیں دم زدن میں مٹ گئیں۔شہر کے شہر ویران ہوگئے۔ملٹن طوفان کی رفتار دوسو کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔جو کبھی دیکھی ہی نہیں گئی۔تاریخ کے اوراق میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔لاکھوں لاکھ یہود محفوظ مقامات پر جاچکے۔یہی وہ ملعون ہیں جن کی بدولت اسرائیل فلسطینیوں پر میزائل برسا رہا ہے۔بادِصرصر ایسی کہ جو مردار ہوئے وہ تو ہوئے ہی، جو زندہ ہیں وہ **ضربت علیہم الذلۃ و المسکنۃ** کی تازہ تصویر بنے ہوئے۔جانی مالی ہر طرح کا عظیم خسارہ۔بلینوں ڈالر تعمیر نو میں صرف ہوں گے۔فلسطینیوں کی ایک سال کی قربانیوں کا یہ صلہ ہے۔آج یہود قہر الٰہی کی زد میں ہے۔خدائی عتاب انہیں بتا رہا ہے کہ تم اسی لائق تھے اور اسی لائق رہوگے۔

❀ .... ❀ .... ❀

پچھلے دنوں ہریانہ اور کشمیر میں اسمبلی انتخابات ہوئے۔کشمیر میں نیشنل کانفرنس اور اس کے اتحادی کی

فتح ہوئی۔ عمر عبداللہ جموں وکشمیر کے وزیر اعلی بننے جا رہے ہیں۔ بھگوا محاذ یہ الیکشن بہر حال جیتنا چاہ رہا تھا۔ اس کے لیے اس نے سر توڑ کوشش بھی کی تھی۔ ووٹوں کو ہتھیانے اور اپنی فتح یقینی بنانے کے لیے کئی کھیل بھی کھیلے تھے۔ پیر پنچال ریجن میں پہاڑی برادری اور گوجروں میں دراڑ ڈالنے کے لیے پہاڑی برادری کو ایس ٹی کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ قبیلہ فیصلہ کن پوزیشن کا حامل ہے۔ پہاڑی برادری نے بھی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے بھاجپا سے فاصلہ بنائے رکھا۔ یہاں گوجروں کو بھی داد دینی ہوگی کہ انہوں نے اپنے تمام ووٹ پہاڑی برادری کو دے کر زبردست اتحاد کا مظاہرہ کیا اور بھگوائیوں کے ارمانوں پر اوس کی برسات کر دی۔ پہاڑی قبیلے نے بھی گوجر اُمیدواروں کو کامیاب بنانے کی انتھک مساعی کیں۔ یہ گیروی پارٹی کے لیے کسی سانحہ سے کم نہیں، یہاں کی آٹھ سیٹوں میں سے صرف ایک ہی نشست اس کے ہاتھ لگ سکی۔

یہ انتخابات اس اعتبار سے بھی اہم ہیں کہ دفعہ 370 / ہٹنے کے بعد پہلی بار ہوئے ہیں اور یہ پہلا نتیجہ ہی بھاجپا کے لیے بھرپور طمانچہ ثابت ہوا۔ 90 /نشستوں میں سے کل 29 /نشستیں ہی اس کے کشکول میں جا سکیں۔ 2018 سے یہاں صدر راج نافذ تھا۔ رہا ہریانہ کا نتیجہ، تو وہ کمل والوں کے ساتھ رہا۔ کمل برداروں نے یہاں لگا تار تیسری جیت حاصل کی۔ زعفرانیوں کی یہ فتح اس معنیٰ کر حیران کن ہے کہ ہریانوی عوام بہت ناراض تھے اور بہر صورت اقتدار کی تبدیلی چاہتے تھے۔ کسانوں، جاٹوں، پہلوانوں اور نوجوانوں پر ظلم و ستم اور جبر و استبداد کی بنا پر بھاجپا کے خلاف ایک لہر تھی۔ کانگریس کو 90 / میں سے صرف 37 /نشستیں مل سکیں، جب کہ بھگوا ٹولہ 48 /نشستوں کے ساتھ سب سے آگے رہا۔ کانگریس کو یہ نتیجہ منظور نہیں ہے۔ بی جے پی کی یہ فتح اندازے سے بہت پرے ہے۔

جموں وکشمیر ہو یا ہریانہ، ہمیں تو مطلب اس سے ہے کہ عوام کی فلاح و بہبود کا کام کیا جائے۔ نفرت، ظلم و بربریت، آمریت، ہٹلر گیری ہر گز قبول نہیں کی جائے گی۔

……◆……

قسط (۳)

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ کے

علمی، تحقیقی وادبی شہ پارے

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ

بانی جامعہ ہٰذا

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت شاہ صاحب کے بڑے ہی ممدوح تھے، ان سے بڑا والہانہ اور شیدائیانہ تعلق تھا، جب ان کی وفات ہوئی تو شاہ صاحب بہت زیادہ متاثر ہوئے، انہوں نے اس موقع پر اپنے مرحوم استاذ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے جو قلم چلایا ہے تو پڑھنے والوں کو حیران کر دیا ہے، یہ قلم کی تراوش نہیں، دیدۂ خوں نابہ بار ہے:

چلنے والے کے قدم ''دار الحدیث'' کی مقدس درس گاہ کے قریب پہنچ کر اچانک رک گئے، اور نگاہیں درو دیوار سے گزر کر اس مسندِ علم وفضل پر جم گئیں جہاں بیٹھ کر ربع صدی تک عرب وعجم کے شیخ نے علم وفضل کے موتی لٹائے تھے، معرفت وسلوک کے دریا بہائے تھے، یہ وہی مسند ہے جس پر عربی لباس میں ملبوس ایک نور مجسم قال اللہ وقال الرسول کو عربی لب ولہجے میں شروع کرتا تھا، اس کی وجد آفریں آواز پر درو دیوار ہمہ تن گوش بن جاتے، قدوسیوں کے ہجوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سننے کے لئے آسمان سے اتر آتے، یہ وہی جگہ ہے جہاں پر اپنے خدا کا ایک مقدس بندہ زہد وتوکل، عفاف وغنا، تورع وتقوی کی ایک متحرک تصویر بن کر سامنے آتا، جس کے ''فرق'' سے تا بقدم اتباعِ شریعت کے ثبوت بہم پہنچتے، اور جس کی زندگی کا ہر گوشہ شریعتِ مصطفوی کا نقطہ شناس اور راز داں نظر آتا، وہ تلامذہ کے ہجوم میں خرامِ ناز کرتا ہوا یہاں سے چل کر آتا، وہ علم وکمال کا کوہ

گراں نیک گامی کرتا ہوا یہاں سے نکلتا، وہ چل کر آتا تو مشامِ جاں اس کی عطر بیزیوں سے معطر ہوجاتے، وہ جدھر سے نکل جاتا تو عود وعطر کے جھونکے دل ودماغ کو راحت دیتے ہوئے گزر جاتے، غرض کہ نگاہوں میں ایک ایک منظر گھوم رہا تھا اور دماغ کے تمام گوشوں میں مرحوم کی یاد تازہ ہورہی تھی، چلنے والے نے استغراق کے عالم میں اپنے قدم آگے بڑھائے، لیکن رنج وغم کی کلفتیں بھی اس کے ساتھ ہولیں، تمام رات فرش وبالیں پر اضطراب سے کروٹیں لیا کیں ''ہر تارِ بستر خارِ بستر ثابت ہوا'' وہی تصور، اسی کی یاد، خیالات کے ہجوم، افکار کے بادل سر پر منڈلاتے رہے، صبح کی آمد آمد ہے، رات اپنی تمام تاریکیوں کے ساتھ رخصت ہوا چاہتی ہے، باہر نکل کر دیکھا تو افقِ عالم پر چاند اپنی پھیکی روشنی کے ساتھ زندگی کے آخری سانس لے رہا ہے، ستاروں کا ہجوم غم گساری کے لئے موجود ہے، لیکن نور کے یہ ٹمٹماتے چراغ بھی بڑھ کر خاموش ہورہے ہیں، انسانوں کی بستی سے بہت دور کنارۂ عالم پر صبح کی سپیدی تیزی کے ساتھ پھیلنی شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے منور صبح کے ہنگاموں سے ساری کائنات لبریز ہوگئی، یہ طائرانِ خوش آواز کے ہجوم ہیں جو آشیانوں سے نکل رہے ہیں، یہ نسیمِ سحری کے دل نواز جھونکے ہیں جو فضا کو معطر کرنے کے لئے پوری قوت سے دوڑ رہے ہیں، ہر طرف زندگی رقصاں نظر آتی ہے اور ہر سو ایک نئی حیات تمام ولولوں کے ساتھ اچھلتی پھر رہی ہے، لیکن کائنات کے ان ہنگاموں میں اور قدرت کی ان تمام چارہ سازیوں سے اس الم رسیدہ کی کوئی تسلی نہ ہوسکی جس نے رات کی گھڑیاں ایک مقدس انسان کی یاد میں گزاری تھیں، وہ بستر سے اٹھا، لڑکھڑاتا ہوا، سوئے گورِ غریباں چل دیا، انسانوں کی اس خاموش آبادی میں پہنچ کر اچانک اس کے قدم ٹھہر گئے اور اس بقعہ نور کی ضیا پاشیوں نے تھوڑی دیر کے لئے اس کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، خدایا یہ کون سی جگہ ہے، جس کے حسین مناظر، خوشگوار ہوائیں، پھولوں سے لدے ہوئے درخت، گل وریحان سے لبریز کیاریاں جنت کے باغات کا منظر پیش کررہی ہیں، یہ سوچتا ہوا باغ کی روپہلی جدولوں، اور مرمریں روشوں سے گزر کر کھڑا ہونے والا جب سامنے آکر کھڑا ہوا تو چند نورانی چہرے، جن کے نورانی اجسام پر پاکیزگی بکھری ہوئی نظر آتی تھی، جن کے بشروں پر مسرت وفرحت کی چمک رقصاں دکھائی دیتی تھی، کوئی مصحف در بغل، کوئی تسبیح در دست، کوئی

مصروفِ ذکرِ جلی، تو کوئی استغراق کی کیفیت میں ڈوبا ہوا نظر آیا، یہ مناجات کر رہا ہے، وہ مشاہدۂ حق میں گم ہے، یہاں **اللہ ھو القادر** کے نعرے ہیں، تو وہاں صدائے ہو حق کی مترنم آوازیں ہیں، غرضیکہ ایک نیا منظر، ایک نئی دنیا نگاہوں کے سامنے ہے۔

ع ایں کہ می بینم بہ بیدار یست یارب یا بخواب

ان نورانی چہروں میں ایک مانوس شکل نظر آئی، نگاہوں نے تجسس کیا، تو وہی پیکرِ حسن جلوہ گر نظر آیا، جس کو آنکھیں تلاش کرتی تھیں، جس کو نگاہیں ڈھونڈتی تھیں، وہی تر و تازہ جسم، وہی منور شکل وصورت، چہرہ و بشرہ پر کچھ خاص چمک، نئی رونق مستزاد، بڑھ کر پوری نیازمندیوں کے ساتھ کہنے والے نے کہا کہ: ”**السلام علیکم یا أهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر**“

آخر کیوں نہ ان سے پوچھ لیا جائے کہ سلام کرنے والے کو پہچانتے بھی ہیں یا نہیں؟ گفتگو کا یہ سلسلہ، اسی نور مجسم سے شروع ہوا جو میرے مقصود اور متجسس نگاہوں کا مرکز تھا، میں نے آگے بڑھ کر کہا: اے عرب وعجم کے شیخ! کیا آپ نے مجھ کو پہچانا؟

نور وسرور کی اس متحرک تصویر نے جواب دیا: ہاں کیوں نہیں! اس عالم میں ہم ان سب کو پہچانتے ہیں جن سے دنیا میں تعارف اور شناسائی تھی، شیخ نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سنا ہی ہوگا کہ ”جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا، اور اس کو سلام کرتا ہے تو مردہ اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے“ (رواہ ابن عبد البر)

میں نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے، لیکن یہ تو بتائیے کہ یہ چند نورانی اجسام، جو سرور وفرحت کے پتلے، نورِ ایمان کی شمعیں نظر آتی ہیں، کون ہیں؟

میرے اس سوال پر اب اس خدا رسیدہ انسان نے ایک ایک کا تعارف یوں شروع کیا کہ، دیکھو! سامنے یہ ایک بزرگ جن کے شباب پر کہولت کے آثار ہیں، جن کا لباس نورانی اور جن کا چہرہ انوار وتجلیات کا مرکز نظر آتا ہے، مولانا محمد قاسم صاحب ہیں جو عمر بھر ”**جاء الحق وزهق الباطل**“ کی زندہ تفسیر بنے رہے، آج یہ اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں، اور منزل پر پہنچنے کے بعد راحت وآرام سے ہم کنار ہیں، ان کی زندگی میں جو جد وجہد تھی

اس کے صلے میں صبح وشام لیٹے لیٹے یہ تھکے جاتے ہیں،تم نے ان کے متعلق بہت کچھ سنا ہوگا،اس لئے ان کا یہ مختصر تعارف کافی ہے۔

ان کی بغل میں جو ایک بوڑھے نظر آرہے ہیں یہ وہی ہیں جن کے بڑھاپے میں شباب مچل رہا تھا اور جن کی انقلابی طاقتوں سے عالم لرزتا تھا''**یجاھدون فی سبیل الله**'' والی جماعت انہیں کی قیادت میں کام کرتی تھی، یہ آج اس تصور سے خوش ہیں کہ ہندوستان آزاد ہے، انڈونیشیا آزاد ہے اور مشرق وسطی آزادی کے لئے مچل رہا ہے، لیکن ابھی ان کا خواب ادھورا ہے، ان کے خواب کی تعبیر کے لئے تم کو کچھ اور سہانی صبحوں کا انتظار کرنا ہوگا! تم نے جان لیا ہوگا کہ یہ آقا مولانا محمود الحسن ہیں، جن کے لئے ہم سب نے شیخ الہند کا تعظیمی خطاب تجویز کیا تھا، یہ اس جانب سے سادگی کا پیکر، تقوی وتورع کی نشانی، انسانیت کی تصویر، علم وعمل کی محراب جو تم کو نظر آرہی ہے قطبِ عالم مولانا عزیز الرحمن ہیں، جو تفقہ فی الدین کی عظمتوں سے مالا مال تھے، آج بھی یہ اپنے میں گم ہیں، اور یہاں بھی اخفائے احوال کی انہیں کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے ہم ان کو پہچانتے ہیں لیکن پھر بھی نہیں جانتے۔

اسی دوران میں ابدی آرام گاہوں کے ایک کونے سے ایک عجیب وغریب شکل سامنے آتی ہوئی نظر آئی، منحنی جسم، دبلا پتلا انسان، ہاتھ میں ایک بڑی تسبیح، جس کے دانے ایک دوسرے پر گرتے تو قدوسیوں کے کان کھڑے ہوجاتے، اس شخص کی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی، اور اس کی ہر ہر ادا سے ارادوں کی بلندی نمایاں معلوم ہوتی، یہ شخص کوششوں کی کامیابی کا ثبوت ہی ثبوت نظر آتے تھے، میں نے گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ سامنے سے آنے والے کون ہیں؟ شیخ نے فرمایا: یہ وہی ہیں جن کے ناخنِ تدبیر کی گرہ کشائیوں کو دیکھ کر ''**وانزلنا الحدید فیه بأس شدید**'' کا منظر سامنے آتا تھا یعنی مولانا حبیب الرحمن عثمانی، اور دیکھو یہ ایک چہرہ، جس پر علم کا وقار، عفت وپاکبازی کی رونق، ایمان کا نور، انجام کا سرور نظر آرہا ہے، جن کی عینک کے پیچھے سے دو بڑی بڑی آنکھیں جھانک کر آج دار العلوم اور اپنے ہزاروں شاگردوں کی علمی ترقیوں کا جائزہ لے رہی ہیں، حضرت مولانا اعزاز علی ہیں، یہ تمہارے مربی اور محسن ہیں، تم نے ان کو خوب پہچان لیا ہوگا، میری اس گفتگو کے درمیان جو بہت سے متحرک اجسام وہاں آکر جمع ہوگئے تھے ان میں ان دو چار ہی نمایاں اشخاص کے متعلق دریافت کرکے میں نے بات بدلتے ہوئے کہا کہ دنیا میں آپ

نے مولانا محمد قاسم صاحب کو اپنی آنکھوں سے تو دیکھا نہیں تھا، پھر یہاں کیسے پہچانا؟ کیا مرد ے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ مقدس انسان نے میرے اس سوال کے جواب میں کہا کہ ہاں! ہم ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، پھر شیخ نے اس موقعہ پر یہ حدیث مجھ کو سنائی کہ:

بشر بن البراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ارے خاک میں ملی روح مطمئنہ جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہے سو اگر پرندے درختوں کی ڈالیوں میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ پہچانتے ہیں) تو وہ ارواح بھی ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔ (اخرجہ ابن سعد)

میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ جب یہاں آئے تھے تو اسی وقت ان سب سے ملاقات ہوئی یا کچھ عرصہ کے بعد؟ شیخ نے کہا: یہ سب اسی وقت جمع ہو گئے تھے اور یہاں بھی شیخ نے یہ کہہ کر ایک حدیث پیش کی، جس کا حاصل یہ تھا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو خدا کے مرحوم بندے اس طرح آگے بڑھ کر اس سے ملتے ہیں جس طرح دنیا میں کسی خوش خبری لانے والے سے ملا کرتے ہیں۔ (اخرجہ ابن ابی الدنیا)

اب میں نے پوچھا کہ اے مقدس پیکر! اپنے اس ظاہری جسم کو دفن کرنے کے لئے خاص اس موقع کا انتخاب آپ نے فرمایا تھا یا اس میں کوئی لطیفۂ قدرت ہے؟ اس سوال کے جواب میں شیخ تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو گئے اور کچھ سوچ کر فرمایا: کہ فیصلہ تو قدرتی ہے، لیکن میرا بھی رجحان ادھر ہی تھا، میں نے عرض کیا کہ پاکیزہ ارواح کے لئے تو جگہ جگہ کے قبرستان بھی تمنا کرتے ہوں گے؟ شیخ نے فرمایا: ہاں تمہارا خیال ٹھیک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

جب مومن مرتا ہے تو تمام مواقع قبر اس کے مرنے پر اپنی آرائش کرتے ہیں، ان میں کوئی حصہ ایسا نہیں ہوتا جو اس بات کی تمنا نہ کرتا ہو کہ اس میں مدفون ہو: (رواہ ابن عدی)

اب میں نے یہ بھی سوال کر لیا کہ جس روز ہم بدقسمت آپ کے جنازے کو گریاں و بریاں اپنے کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے آرہے تھے، انسانوں کا ہجوم تو وہ تھا جس کا نہ شمار اور نہ حساب، لیکن یہ تو بتائیے کہ کیا آپ کے جنازے کے ساتھ کوئی اور بھی مخلوق تھی؟

مولانا نے فرمایا: کہ فرشتوں کا ہجوم ساتھ ساتھ چلا آتا تھا جن کو تم نہیں دیکھ پاتے تھے، لیکن میں خوب دیکھ رہا تھا، تم نے یہ حدیث تو ضرور پڑھی ہوگی کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک روز حضرت داؤدؑ نے خداوند تعالی سے عرض کیا کہ بار الہا! جو لوگ جنازے کے ساتھ چلتے ہیں ان کی اس عبادت کا تیرے یہاں کیا اجر ہے؟ ارشاد ہوا کہ اس کا صلہ یہ ہے کہ میرے فرشتے اس کے جنازے کے ساتھ چلیں گے اور اس کے لئے دعا کریں گے۔(اخرجہ ابن عساکر)

اب گھبرا کر میں نے دریافت کیا: مولانا! دفن کرنے کے بعد ضغطۂ قبر کی تو کہئے، اس کے تصور سے تو جان نکلی جاتی ہے؟ میرے اس سوال پر روحانیوں کا امام ہنس پڑا! اور فرمایا کہ: مومن کے حق میں تو قبر کا دبانا ایسا راحت بخش ہے جیسے مشفق ماں سے اس کا بیٹا دردسر کی شکایت کرے تو ماں اس کا سر نرم نرم دبائے (اخرجہ البیہقی)

میں نے یہ بھی پوچھا کہ دنیا کی زندگی میں تو عقیدت مندوں کا ہجوم آپ کے چہار جانب رہتا تھا، یہاں کی تنہائی میں آپ کی طبیعت کیا گھبراتی ہے؟ اور اس قبر میں آپ کے ساتھ آخر کون ہے؟ مونس وغم گسار ہیں یا نہیں؟ مولانا فرمانے لگے: کہ تمہارے داغ نے تو حسرت وارمان کو اپنا مونس بنایا تھا، تم نے اس کا وہ مشہور شعر ضرور سنا ہوگا کہ:

قبر میں حسرت وارمان غنیمت ہیں اے داغ
رفتہ رفتہ انہیں یاروں سے بہل جاؤں گا

لیکن علماء کے لئے ان کا علم مونس ودم ساز ہوتا ہے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب عالم مرجاتا ہے تو اللہ تعالی اس کے علم کی ایک صورت بنا دیتا ہے وہ قیامت تک اس کی انیس رہتی ہے اور کیڑے مکوڑوں کو اس سے ہٹاتی ہے: (اخرجہ الدیلمی)

میں سوال کر رہا تھا اور ادھر شیخ پوری بشاشت کے ساتھ جواب دے رہے تھے، اسی دوران میں، میں ان سے ایک عجیب وغریب سوال کرنے لگا، پوچھنے سے پہلے تو نہیں، لیکن دریافت کرنے کے بعد اس استفسار پر مجھے خود ہی ندامت ہوئی، یعنی میں نے ان سے دریافت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا معاملہ دنیا کی زندگی میں عجیب وغریب رہا، ایک طرف آپ کے دسترخوان کی وسعت تھی جس پر سینکڑوں آدمی زلہ ربائی کرتے تھے، مہمانوں کی کثرت، واردین وصادرین کا ہجوم دیکھ کر بارہا خیال ہوا کہ آپ شاید کوئی رئیس یا پھر ایک

بڑے سرمایہ دار ہیں جس کے گھر میں تجوریوں کا سلسلہ اور نقدیوں کے انبار ہوں، دوسری جانب آپ کی سادگی، معمولی لباس، معمولی قسم کا کھانا پینا، عیش وراحت سے بہت دور زندگی، اور راحت کوشیوں سے ناواقف اوقات دیکھ کر محسوس ہوتا کہ آپ ایک غریب گھر گرہستی کے آدمی، اور سادہ زندگی کے مالک ہیں، پھر بتائیں کہ آپ کیا تھے اور اپنے پیچھے آپ نے کیا چھوڑا ہے؟ اس مقدس انسان نے اس نازیبا سوال پر کسی ناگواری کے بغیر کہا کہ: میں نے دنیا کی زندگی ایک غریب کی طرح شروع کی اور غربت ہی پر اس کو ختم کر آیا ہوں، نہ میں سرمایہ دار تھا، نہ رؤسا کے زمرہ میں میرا شمار، نہ میں نے اپنے بعد روپیوں کے انبار چھوڑے، نہ مال ومتاع کے ذخیرے، اور یہاں آکر معلوم ہوا کہ دنیا کا طمطراق، تزک وحشم کچھ کام نہیں آتا، سب کچھ وہیں پڑا رہ جاتا ہے، اگر کام آتا ہے تو وہی دو چیزیں جن کی اطلاع صادق ومصدوق نے دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

’’جب آدمی مر جاتا ہے تین چیزوں کے علاوہ اس کے تمام اعمال موقوف ہوجاتے ہیں یعنی صدقۂ جاریہ، علم نافع، یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو‘‘ (اخرجہ البخاری)

میں نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ آج کل آپ یہاں کیا کرتے ہیں، اس استفسار پر فرمایا کہ زیادہ تر قرآن ہی کی تلاوت سے کام رہتا ہے، دنیاوی زندگی میں بھی قرآن کی تلاوت بڑی سرور بخش تھی، میں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا آپ قرآن پڑھتے ہیں؟ حفظ پڑھتے ہیں یا ناظرہ؟ شیخ نے فرمایا کہ ایک روایت میں ہے کہ مؤمن کو قبر میں مصحف دیا جاتا ہے جس میں وہ پڑھتا ہے۔ (اخرجہ ابن مندہ)

اور اسی طرح دوسرے اعمال وعبادات بھی چلتی رہتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اب ہم مکلف نہیں، صرف اپنی لذت وراحت کے لئے اس قسم کی عبادتیں کرتے رہتے ہیں، اب صبح ہوچکی تھی، آفتاب کی کرنیں آسمان سے زمین پر اتر کر آرہی تھیں، اور ان کی تمازت سے فضا میں حرارت وبرودت کا حسین امتزاج بنتا جارہا تھا، زائرین کے قدموں کی چاپ سے روحانیوں کے ہجوم میں کچھ کھلبلی سی پڑ گئی، اور اچانک یہ منظر میرے سامنے سے ہٹا دیا گیا، پھر اسی دنیا کی وہی صبح وشام تھیں اور وہی زمین وآسمان۔

(ماہنامہ الحرم میرٹھ شیخ الاسلام حضرت مدنی نمبر)

……◆……

قسط نمبر:۲

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ
اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

مولانا ابوطہٰ محمد صغیر پرتاپ گڑھی
استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

علم تفسیر

علوم قرآن اور اس کے نکات واعجاز سے آپ کو کس قدر دلچسپی تھی اس کا اندازہ آپ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے: ''میں رمضان المبارک میں قرآن مجید شروع کرتا ہوں اور تدبر وتفکر کے ساتھ اس کو پورا کرنا چاہتا ہوں، لیکن کبھی پورا نہیں ہوتا۔''(۱)

مولانا جمیل الدین میرٹھی فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ آپ کا حافظہ تو قرآن کریم کو چند دنوں میں حفظ کرسکتا تھا، پھر کیا بات ہے کہ آپ نے قرآن کریم حفظ نہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''بچپن میں تو والدین نے اس طرف متوجہ نہ کیا، اب یہ ممکن نہ رہا، اس لیے کہ جب قرآن کھول کر بیٹھتا ہوں تو اس کے بلاغت واعجاز، معانی وجزالت، شوکت وودروبست میں محویت اس قدر ہوتی ہے کہ ایک آیت سے بھی آگے بڑھ نہیں پاتا''۔(۲)

حیات انور کے مصنف لکھتے ہیں: ''قرآن حکیم کے ساتھ آپ کو اس درجہ والہانہ عشق تھا کہ جس وقت آپ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو اس کے حسن تعبیر پر وجد وشوق میں جھومنے لگتے تھے۔''(۳)

قرآن میں نسخ کی بابت آپ فرماتے ہیں کہ ''میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی محل ہی نہ نکل سکے، بلکہ اس کا حکم کسی رتبہ میں مشروع ضرور رہے گا۔''(۴)

اعجاز القرآن کے سلسلے میں یہ مقولہ مشہور ہے: **لم یدر اعجاز القرآن الا الاعرجان احدھما من**

زمخشر والآخر من جرجان۔اس پراضافہ کرتے ہوئے آپ خود فرماتے تھے:"واناثالثهما"۔(۵)

حقیقت یہ ہے کہ دیگر علوم کی طرح علوم قرآن اور اعجاز القرآن سے بھی آپ کو من جانب اللہ وافر حصہ عطا ہوا تھا، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں بھی ماضی قریب میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:" حضرت الاستاذ فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے میری طبیعت میں فصاحت و بلاغت کا ایسا معیار ودیعت کر دیا ہے کہ جس سے میری نظر میں فصیح و بلیغ کلام، غیر فصیح و بلیغ کلام سے جدا معلوم ہوتا ہے اور ان کی خصوصیات و درجات ذاتی ووجدانی طور پر نمایاں ہوجاتے ہیں، لہٰذا میں فصاحت و بلاغت میں کسی کا مقلد نہیں۔

علوم فصاحت و بلاغت میں حضرت الاستاذ کی اسی بلند رتبی کا ثمرہ ہے کہ اعجاز قرآن کے تعلق سے امام باقلانیؒ سے مکمل طور پر متفق نہیں ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ:" امام باقلانیؒ متکلم اور علم کلام میں عظیم مقام کے حامل ہیں، جہاں تک علم بلاغت کا تعلق ہے تو یہ ان کا فن نہیں، بلکہ شیخ عبدالقاہر جرجانی اور علامہ زمخشری کا فن ہے۔"

قرآن کریم کے اعجازی پہلو کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ:" قرآن کریم بتمامہ شان اعجاز کا حامل ہے، قرآن کریم کا اعجاز کسی ایک جہت میں منحصر نہیں ہے، بلکہ مفردات، مرکبات، ترتیب کلمات، مقاصد قرآن اور حقائق قرآن ہر ایک جہت میں پایا جاتا ہے، گویا قرآن کریم لفظ کے اعتبار سے بھی شان اعجاز کا مالک ہے، ترکیب کے اعتبار سے بھی اور مقاصد کے لحاظ سے بھی۔"

اس پہلو سے قرآن کریم کا اعجاز جس کی وضاحت حضرت الاستاذؒ نے فرمائی ہے اس پر قبل ازیں کوئی متنبہ نہیں ہوا، اور نہ ہی اس انداز میں کسی نے اس کی نقاب کشائی کی ہے۔حضرت الاستاذ نے جس اعتبار سے اعجاز مفردات کی وضاحت فرمائی ہے، وہ باب اعجاز میں انتہائی قابل قدر اور تحدی و چیلنج کے لئے اہم ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ:" قرآن کریم اپنے اسلوب میں عام تصنیف کا پابند نہیں ہے، چنانچہ وہ کتب فقہ کی طرح نہ تو جزئیات کو سمیٹنے کا اہتمام کرتا ہے اور نہ ہمارے زمانہ کے اہل علم کی طرح مضمون کو دفعات وار بیان کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ بلکہ قرآن کا اسلوب، عربی اسلوب کے مطابق ہے۔"

آپؒ فرماتے کہ: قرآن قریم کے مشکلات، حدیث کے مشکل مباحث سے زیادہ مشکل اور اہم ہیں، لیکن امت نے جتنی توجہ حدیث پر دی، اتنی قرآن پر نہ دی۔

آپ فرماتے کہ: قرآن کریم میں تکرار، قدر مشترک اور کہیں کہیں قدر مغائر کا حاصل ہوتا ہے، لیکن تکرار برائے تکرار بہت کم ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ جو الفاظ بہ ظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں، ان میں سے

ایک لفظ سے ایک حکم، جب کہ دوسرے لفظ سے دوسرا حکم مفہوم ہوتا ہے، حالانکہ موضوع ایک ہوتا ہے۔ اس طرح وہ متن اور شرح کے درجے میں ہوجاتے ہیں۔اگر ایسا نہ ہوتا تو بعض الفاظ کی تفسیر وتشریح نہایت مشکل تھی، نیز احکام وفوائد مستنبط کرنا بھی آسان نہ رہتا۔اسی طرح بعض دفعہ تکرار کے ذریعہ قرآن کریم کسی بات کی اہمیت وعظمت کو بیان کرنا چاہتا ہے۔(۶)

علامہ بنوریؒ مزید فرماتے ہیں:اسی ضمن میں حضرت الاستاذؒ نے قرآن کریم کی جن آیات کو مشکل خیال فرمایا تھا،خواہ وہ اشکال تاریخی اعتبار سے ہو یا کلامی حیثیت سے، سائنس کی رو سے ہو یا کسی عقلی پہلو سے، یا علوم عربیت وبلاغت کی جہت سے ہو،ان پر آپ نے ایک یادداشت مرتب فرمائی تھی، اگر کہیں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے، اس کو نقل فرمایا یا حوالہ دیا اور نہیں تو خود غور وفکر کے بعد جو حل سانح ہوا تحریر میں لایا گیا۔ بلاشبہ یہ یادداشت قرآنی معارف کا نہایت بیش قیمت گنجینہ ہے اور مطبوعہ ہے۔(مشکلات القرآن کے نام سے)اس کے علاوہ قرآن کریم کے متعلق کچھ اور مسودات بھی آپ کے علمی ذخائر میں پائے گئے، لیکن ابھی تک وہ طبع نہیں ہوسکے۔(۷)

مستقل طور پر تو آپ نے کوئی تفسیر نہیں تحریر کی،لیکن آپ کی تحریرات وامالی میں جابجا آیات سے استدلال اور ان کی ایسی تشریحات موجود ہیں، کہ بڑے بڑے مفسرین ان نکات تک نہیں پہنچ سکے۔اگر سب کو مرتب کر کے کتابی شکل دیدی جائے تو ایک عظیم علمی تفسیر امت کے سامنے ہوگی۔ بطور نمونہ آپ کا کچھ تفسیری کلام کو پیش کیا جارہا ہے۔(۱)(وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ)

مردود قادیانی نے سورۂ آل عمران کی آیت: "وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ" کی غلط وباطل تاویلات کر کے اپنے مقصد کے لئے اسے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔''عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی السلام''میں،اس کی باطل تاویلات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آیت کریمہ "وَمَكَرُوْا" کا مطلب یہ ہے کہ: یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے،آپ کی شریعت کو ختم کرنے اور آپ کے پیروکاروں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے، نیز آپ کو گوشۂ گمنامی میں ڈالنے کے لئے حیلہ اور مکر سے کام لیا،جیسا کہ اس پر،ان کے خلاف اپنی تدبیر کی بابت،ارشاد باری:"اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ" دلالت کررہا ہے۔قول باری: "وَمَكَرَ اللّٰهُ" اس ذیل میں اصل الاصول ہے، جو اس پر دلالت کررہا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کی نجات، دشمنوں سے گلوخلاصی، نیز آپ کے پیروکاروں کو منکرین پر غالب کرنے کے لیے ایسی خفیہ تدبیر کی، جو عقل وفہم سے بالاتر تھی،جس کی وجہ سے دشمن اپنے مکر میں پھنس گئے اور خود منہ کی کھائی؛ چناں چہ ان کفار کے عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے وقید کرنے کی تدبیر کے مقابلے میں اللہ تعالی کی تدبیر''توفی

وتسلم'' ہے،ان کے ارادۂ قتل کے مقابلے میں ''رفع الی السماء'' ہے،ان کے درمیان باقی رہنے،ان کے اشتباہ میں پڑ جانے، نیز اذیت دینے کے مقابلے میں ''تطہیر'' ہے، جب کہ گوشۂ گمنامی میں ڈال دینے، پیروکاروں کو مٹا دینے کے مقابلے میں،متبعین کا منکرین پر غالب وفائق ہونا ہے۔

بد بخت قادیانی کی طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دشمن آپ پر مسلط ہوئے اور نعوذ باللہ طرح طرح سے اہانت کی، یہاں تک کہ سولی پر چڑھا دیا،جس کی وجہ سے آپ پر ایسی بے ہوشی طاری ہوئی کہ بے حس وحرکت مثل مردہ ہوگئے(اور وہ آپ کو مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے) چوں کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی تھی،(اس لیے علاج ومعالجہ کے بعد جب آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو) سیر وتفریح کے لیے نکل گئے اور تقریباً ستاسی (۸۷)سال بہ قید حیات رہے، یہاں تک کہ کشمیر میں آکر وفات پائی،(بہ زعم خویش دشمنوں کی شازشوں کے خلاف، حضرت عیسیٰ کو بچانے کے لیے اللہ تعالی کی جانب سے یہ خفیہ تدبیر الٰہی اور صنعت لطیف تھی۔(انتہی)

مردود قادیانی کی مذکورہ بات بالکل غلط ہے، بلکہ حضرت عیسیٰ کو بچانے کے لیے بالکل ایسی ہی تدبیر ہوئی تھی جیسی کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لیے ہوئی، بایں طور کہ حضرت علیؓ کو بستر پر چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے مکہ سے نکل گئے اور کفار یہی سمجھتے رہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی بستر پر ہیں (اسی طرح جب دشمنوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی دینے کے لیے گھیر لیا،تو اللہ تعالی نے آپ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور ایک دوسرے شخص کو آپ کی شبیہ دیدی، دشمنوں نے اسی کو عیسیٰ سمجھ کر سولی دیدی اور اللہ رب العزت نے اپنے نبی کو بہ حفاظت بچالیا)۔مفسرین نے سورہ انفال کی آیت:''وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ، وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ'' (الانفال:۳۰)(اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کردیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے) کی تفسیر میں تدبیر الہی کی بابت حضرت علیؓ کے بستر پر لیٹ جانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وسالم سفر کر جانے ہی کو لکھا ہے، نیز حضرت علیؓ خود فرماتے تھے،جیسا کہ ''مواہب'' میں ہے: **وفیت بنفسی خیر من وطئی الثری ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر** (میں نے اپنے نفس کو اس ذات گرامی پر فدا کردیا، جو زمین پر چلنے والوں، نیز کعبہ وحطیم کا طواف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے)۔

رسول اله خاف أن یمکروابه فنجاه ذو الطول الاله من المکر (جو اللہ کا رسول ہے جب اسے دشمنوں کے فریب سے خطرہ لاحق ہوا تو بڑی طاقت والے معبود نے اسے دشمنوں کے داؤ سے بچالیا)

اورجیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی ،دشمنوں سے حفاظت اور دشمنوں کی ہلاکت، کی بابت تدبیر الٰہی (کہ جب وہ آپ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لئے جمع ہوئے، تو ایک پہاڑ سے، بھاری پتھر لڑھک آیا اور وہ سب کے سب جہنم رسید ہو گئے اور اللہ کے نبی صالح علیہ السلام دشمنوں سے مکمل محفوظ رہے) کو لفظ ''مکر''، ہی سے تعبیر کیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:"وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ"[نمل:۵۰]

(اورانہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی)

پس اسی طرح حصرت عیسیٰ کی حفاظت کے لیے بھی خفیہ تدبیر ہوئی۔جس کو''مکر'' سے تعبیر کیا گیا، کہ آپ دشمنوں کی دست وبرد سے مکمل محفوظ رہے، اللہ نے یہ حفاظت آسمان پر اٹھالیا اور دشمن ذلیل وخوار ہوئے۔

بد بخت قادیانی اپنی ساری عبارتوں میں کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی چیز کو بار بار دہراتا ہے، کہ کفار نے حضرت عیسیٰ کے ساتھ موت کے سوا سب کچھ کیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بدبخت اس بات پر اتنا مصر کیوں ہے؟ لیکن جب میرے بعض احباب نے بتایا کہ اس کا مقصد اسلام کو نصاری سے قریب کرنا اور نصرانیت واسلام سے چند باتیں لے کر، ایک درمیانی مذہب بنانا ہے، تو میرا تعجب رفع ہو گیا، کیونکہ واقعی معاملہ ایسا ہی تھا۔طرفہ تماشا یہ کہ اس بدبخت کے چیلے چپاٹے کہتے ہیں کہ: اس کا مذہب وطریقہ تو نصرانیت کے خلاف ایک جنگ ہے، حالانکہ جب میں نے اس کے ان تمام عقائد ونظریات کی تحقیق کی، جن کا وہ قائل ہے تو واضح ہوا کہ اس نے یہ عقائد نصاری یا فرقۂ باطنیہ کے عقائد سے سرقہ کئے ہیں؛ چناں چہ اس قسم کے بعض نظریات، حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب ''الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح'' سے عنقریب ہی، آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔(۸)

(۲)(اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ)اسی طرح لعین قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو ثابت کرنے کے لئے سورہ آل عمران ہی کی آیت:"اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" کے مفہوم میں بھی تحریف کی ہے۔آپؒ اس کی باطل وواہیات تاویلات کی تردید کرتے ہوئے اسی ''عقیدۃ الاسلام'' میں لکھتے ہیں: ارشاد باری "اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ" میں مذکور ''توفی'' کی تفسیر میں مفسرین نے کئی وجہیں ذکر کی ہیں [کما فی ''روح المعانی''] مگر دو وجہیں زیادہ قرین قیاس ہیں:

ا-''توفی''، ''توفی الحق'' سے ماخوذ ہے؛ چنانچہ ''معالم التنزیل'' میں ہے:"انی متوفک ای انی

متسلمک "، یعنی "متوفیک"، "متسلمک" کے معنی میں ہے جو عرب کے قول "توفیت منه کذا ، ای تسلمته" کے معنی میں ہے (جس کے لغوی معنی قبضہ کرنا اور پورا پورا لینا ہیں، گویا "انی متوفیك" کے معنی ہوئے: "میں آپ کو پورا پورا لے لوں گا، اور مکمل طور پر آپ پر قبضہ کر لوں گا، کوئی آپ کے قریب بھی پھٹک نہیں پائے گا")

۲- یا "توفی"، "توفی المدۃ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی "استیفاء المدۃ" یعنی مدت پوری کرنا، کے ہیں۔ گویا حضرت عیسیٰ کو رسالت وتبلیغ کا فریضہ سپرد کر کے یہود کی طرف بھیجا گیا، تاکہ آپ ان پر گواہ ہو جائیں، اس کے علاوہ اور بھی دیگر امور رسالت ونبوت متعلق کیے گئے۔ جیسا کہ بادشاہ ارکان سلطنت میں سے جب کسی کو کسی خاص کام کی انجام دہی کے لیے کہیں بھیجتا ہے، تو اس کی نیز اس کے مفوضہ امور کی نگرانی بھی رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ ایزدی میں آپ کو زندہ واپس بلا لیا۔ (ظاہر ہے) اس وقت مفوضہ کام کی ذمہ داری ختم ہو گئی، آپ دربار الٰہی میں داخل ہو گئے اور خدائی نگرانی کے تحت انجام دینے والے کار نبوت سے فارغ ہو گئے۔ جیسا کہ ارکان سلطنت کا وہ شخص (جس کو بادشاہ نے ذمہ داری دے کر کہیں بھیجا تھا) اپنے کام سے فراغت کے بعد دربار شاہی میں واپس آ جائے۔ یہ تفصیل پہلی صورت میں ہے۔ رہی دوسری صورت تو "تفسیر کشاف" میں ہے: "اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ، ای مستوفی اجلک، ومعناه: انی عاصمک من أن یقتلک الکفار، ومؤخرک الی أجل کتبته لک، ومميتک حتف أنفک، لا قتلا بأیدیهم، ورافعک الیّ الی سمائی ومقر ملائکتی" (اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ، انی مستوفی اجلک کے معنی میں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اس بات سے محفوظ رکھوں گا کہ کفار تمہیں قتل کر سکیں، بلکہ اپنے یہاں مقدر کردہ عمر تک زندہ رکھوں گا، پھر طبعی موت دوں گا، نہ کہ ان کے ہاتھوں قتل کے ذریعے، نیز تمہیں اپنے پاس یعنی آسمان پر اٹھا لوں گا، جو ملائکہ کا مسکن ہے۔) "تفسیر کبیر" میں اسی بات کو مختصراً یوں بیان کیا گیا ہے:

"انی متوفیک، ای انی متمم عمرک، فحینئذ اتوفاک، فلا اترکهم حتی یقتلوک، بل أنا رافعک الی سمائی، ومقر ملائکتی، وأصونک عن أن یتمکنوا من قتلک ، وهذا تأویل حسن"۔ (ارشاد باری "انی متوفیك" کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کی عمر پوری کروں گا، تب وفات دوں گا، لہٰذا میں آپ کو قطعاً اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا کہ وہ قتل کریں، بلکہ آسمان پر اٹھا لوں گا، جو فرشتوں کا مسکن ہے اور اس بات سے بچا لوں گا کہ وہ آپ کو قتل کرنے پر قادر ہو سکیں۔ یہی توجیہ زیادہ بہتر ہے)۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اتمام عمر "توفی" کی شرائط میں داخل ہے، ورنہ ان جیسے چوٹی کے علماء

پر ''تفعل''، اور ''تفعیل''، یعنی ''توفی وتوفیۃ'' کا فرق مخفی نہیں ،جیسا کہ تفصیلا اس پر کلام ہو چکا، فلیراجع۔

''تفسیر کبیر'' کی عبارت اس جانب مشیر ہے کہ صاحب تفسیر کبیر ''توفی'' کو ''اخذ الحق علی الاجل المضروب'' (متعینہ مدت میں حق وصول کرنا) کے معنی میں لیتے ہیں، اس طرح ''اخذ'' کا خدا تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ کی وفات کے وقت موعود؛ دونوں سے تعلق ہے، اگر ''اخذ'' کی اضافت اللہ تعالیٰ کی جانب ہو تو یہ اضافت ''اضافة المصدر الی فاعله'' کی قبیل سے ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کا لینا اور وصول کرنا۔ اور اگر نسبت ''أجل مضروب'' کی جانب ہو تو یہ اضافت ''اضافۃ المصدر الی مفعولہ'' کی قبیل سے ہوگی۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی وفات کے وقت کو لینا اور وصول کرنا۔ پہلی صورت حضرت عیسیٰ کی زندگی کے آخری حصے میں ظاہر ہوگی، اگر چہ عبارت میں صراحتاً اس کا ذکر نہیں ہے، برخلاف دوسری صورت کے کہ اس کا ظہور ابتدائے عمر سے ہوگا، یہی وجہ ہے کہ نظم قرآنی میں ''توفی'' کا تذکرہ پہلے کیا گیا۔

نشنیدہٴ کہ ہر کہ بمیر د تمام شد

پہلی توجیہ کی بناء پر ''اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ'' کے وعدے کا اطلاق رفع کے وقت سے ،نزول کے وقت تک ہوگا، ابتداء رفع کے وقت سے ہوگی، اس کے بعد بقاء ہوگی اور ارشاد باری ''انی متوفیک'' ابتداء اور بقاء دونوں پر صادق آئے گا۔ اصول فقہ میں صدق فعل کی بحث آئی ہے کہ آیا صدق فعل کا تعلق ابتداء سے ہے یا انتہاء سے؟ جب کہ دوسری توجیہ کی بناء پر ''انی متوفيك'' کا وعدہ اول عمر سے لے کر، آخر عمر تک کو محیط ہوگا، جو رفع سے پہلے کو بھی متضمن ہے اور بعد کو بھی، نیز نزول کے بعد موت تک کے زمانے کو بھی شامل ہے؛ لہذا دونوں صورتوں میں سورہ آل عمران کی آیت کے چاروں الفاظ میں ترتیب علی حالہ برقرار رہی اور جو اس احمق، گمراہ و بدبخت نے ،قلت علم، کثرت جہل نیز خارج از ایمان ہونے اور رسوائی ومحرومی کی وجہ سے پروپیگنڈا کر رکھا ہے وہ خود بخود بے اثر ہوگیا۔ واضح رہے کہ سورہٴ مائدہ کی آیت: ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ'' آیت: ۱۱۷۔ (پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا)۔ میں، مذکورہ دونوں وجہیں، اپنی اپنی نظیر کے لیے جاری ہوں گی۔ عنقریب جس کی تفصیل آرہی ہے، ان شاء اللہ المستعان۔

اگر چہ مفسرین نے ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ'' کے معنی صرف رفع ہی ذکر کیے ہیں ،البتہ ''الانموذج الجليل فی بيان أسئلة وأجوبة من غرائب التنزيل'' میں چند اور معانی مذکور ہیں۔

یہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ یہ تو نظم قرآنی میں ایک طرح کا انتشار ہوا، جس سے واہمہ ہوتا ہے کہ تم قرآن کے مقصد و مفہوم سے کورے ہو، ورنہ دو وجہوں میں سے صرف ایک ہی وجہ متعین کرتے اور کہتے کہ:

یہی مراد اصلی ہے، نیز دو وجہوں کی صورت میں عموم مشترک کا شبہ بھی ہے، جسے زبان وادب کی دنیا میں ناپسند سمجھا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز ایسی بات نہیں ہے (کہ عموم مشترک کا استعمال خلاف ادب ہے) بلکہ یہ تو اعلی درجہ کی بلاغت وکمال کی بات ہے کہ متکلم ایسا لفظ استعمال کرے، جس کے کئی معانی ہو سکتے ہوں اور ان میں سے ہر معنی اپنے مقام ومقصد کے مناسب ہو، جسے فہم سلیم کے ساتھ قرآن پاک سے مناسبت ہوگی، وہ نظم قرآنی کو دیکھ کر خود سمجھ جائے گا کہ قرآن کریم کا عام اسلوب یہی ہے (کہ وہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جن کی کئی توجیہیں ہوسکتی ہیں) اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا: "ان القرآن ذو وجوه" (یعنی قرآن کئی ایک توجیہات ومعانی کا حامل ہے) نیز قرآن کی بابت حدیث میں ہے: "لکل حرف حد، ولکل حد مطلع، "قال صاحب مجمع بحار الانوار: ای لکل حدمصعد، یصعد الیه من معرفة علمه" (ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد تک جانے کا ایک راستہ صاحب مجمع بحار الانور ("مطلع" کی تشریح کرتے ہوئے) لکھتے ہیں: یعنی ہر حد کی کوئی نہ کوئی انتہاء ہے، جس تک قرآن کے علوم کی معرفت کے سبب پہنچا جاسکتا ہے۔) چناں چہ جب "مطلع هذا الجبل من مکان کذا" بولا جاتا ہے تو "مطلع" سے آنے اور چڑھنے کا راستہ ہی مراد ہوتا ہے۔(یعنی اس پہاڑ پر جانے اور چڑھنے کا راستہ فلاں جگہ سے ہے) قرآن کریم کی یہ تعبیر اس عموم مشترک کے ضمن میں نہیں آتی، جسے اہل فنون ناپسند سمجھتے ہیں، یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے اور قرآن کی اس قسم کی تعبیر پر کسی پریشانی واضطراب کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ الموفق للصواب

حوالہ جات

(۱) تصویر انور، ص: ۳۱۴۔ نفحۃ العنبر، ص: ۳۹۔ (۲) نقش دوام، ص: ۲۹۸۔ (۳) حیات انور، ص: ۹۳۔ (۴) ملفوظات محدث کشمیری، ص: ۳۳۶۔ (۵) دیکھیں: یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن، ص: ۸۰۔ نفحۃ العنبر، ص: ۳۸۔ (۶) ملخص از: یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن، اردو ترجمہ۔ دیکھیں: ماہ نامہ محدث عصر، جلد: ۵۔ شمارہ: ۳، ۴، ۵۔ ص: ۱۰۔ شمارہ نمبر: ۶، ص: ۱۳، ۱۴۔ جلد: ۴۔ شمارہ: ۳، ۴، ۔ص: ۸۔ (۷) تصویر انور، ص: ۳۶۳۔ (۸) حیات ابن مریم ترجمہ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام، بقلم راقم الحروف محمد صغیر پرتاپ گڑھی، ص: ۱۶۳-تا: ۱۶۵۔ (۹) حیات ابن مریم ترجمہ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام، ص: ۱۶۳-۱۶۸

کیا صفات متشابہات میں تاویل کرنا صفات کا ابطال و تعطیل ہے؟

مولانا ساجد خان نقشبندی

قرآن مجید واحادیث رسول ﷺ کے اندر اللہ کے متعلق وارد صفات متشابہات کے متعلق سے اہل سنت کے دو منہج ہیں ایک قدیم دوسرا متاخر۔ قدیم متکلمین کا موقف و مسلک تفویض ہے یعنی ہم اس کا کسی قسم کا کوئی معنی توجیہ تاویل کئے بغیر پڑھ کر گزر جائیں گے۔ قرأتها تفسيرها و تفسيرها قرأتها۔ جبکہ متاخرین کا موقف یہ ہے کہ لغت کے دائرے کے اندر رہ کر تجسیم وتشبیہ اور تعطیل سے بچتے ہوئے ان صفات کی مناسب تاویل بہتر و اولی ہے۔ جیسے اللہ کیلئے کہیں ''وجه'' کا ذکر ہے تو مراد ''وجه'' سے ''ذات باری تعالی'' ہے۔ کہیں ''ساق'' کا ذکر ہے تو مراد اس سے ''شدت'' اور ''رب کی پکڑ''۔ کہیں ''ید'' کا ذکر ہے تو مراد اس سے رب کی ''قدرت'' وغیرہ۔

زمانہ قدیم میں حنابلہ اور دور جدید میں سلفية معاصرة جنہیں ہمارے دیار میں ''غیر مقلدین'' یا ''اہلحدیث'' کہا جاتا ہے وہ اس تاویل کو معاذ اللہ ''تعطیل'' اور صفات کے ''ابطال'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ بقول ان حضرات کے جب اللہ نے مثلاً ''وجہ، ید، ساق'' کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد ''ید، وجہ، ساق'' ہی ہے۔ اگر قدرت، ذات، وقدرت مراد ہوتی تو اللہ اُن الفاظ کی جگہ جگہ سیدھا سیدھا اِن الفاظ کو ذکر کرتا ہے پس جو ذکر کیا اس کو تم نے ترجمہ میں ذکر نہیں کیا اور جو ترجمہ وتاویل کی وہ اللہ نے ظاہر الفاظ میں ذکر نہیں کی لہذا تم نے اللہ کی ان صفات کا انکار و ابطال کیا اور یوں تم معاذ اللہ معطلہ، جہمیہ اور صفات رب تعالی کے منکر ہوئے۔

درحقیقت متاخرین اشاعرہ و ماتریدیہ پر بصورت تاویل ابطال و تعطیل کا الزام ''اسلوب کلام عربی'' سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صفات متشابہات کی جو تاویل اشاعرہ و ماتریدیہ نے کی ہے وہ کلام عرب میں شائع و ذائع ہے یہ الفاظ ان معانی میں استعمال ہوتے ہیں تو ابطال کیسے ہوا؟ مثلا

''ساق'' کے لفظ کو لے لیں ''ساق'' کا لفظ کلام عرب میں بکثرت بمعنیٰ ''شدت'' استعمال ہوا پس جب ساق پنڈلی و شدت دونوں کا معنیٰ دے رہا ہے تو کسی ایک معنیٰ کو سیاق وسباق اور قرائن کی روشنی میں مراد لینا ابطال و انکار کیسے ہوا؟۔

(۱) قرآن مجید میں ہے يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ ۔متاخرین نے یہاں ''ساق'' کا معنیٰ ''پنڈلی'' نہیں کیا کہ کہیں عامی کا ذہن حقیقی پنڈلی جیسا کہ انسان وحیوان کی ہوتی ہے اس طرف نہ چلا جائے اور تجسیم وتشبیہ کے گڑھے میں نہ پڑ جائے لہذا اس کی مناسب تاویل وتوجیہ ''شدت'' سے کی اور ترجمہ کیا ''جس دن معاملہ بڑا سخت یا شدت والا ہو جائے گا'' اور ساق کو معنیٰ سختی وشدت لینا کلام عرب میں شائع ہے چنانچہ دیوان حماسہ میں ہے:

كَشَفَتْ لَهُمْ عَنْ سَاقِهَا
وَ بَدَا مِنَ الشَّرِّ الصُّرَاحُ

(دیوان حماسہ)

جنگ نے ان کیلئے اپنی شدت ظاہر کر دی اور خالص شر ظاہر ہو گیا۔

کیا کوئی عقل مندی یہاں ''ساق بمعنیٰ حقیقی پنڈلی'' مراد لے گا؟ کیا جنگ کی بھی کوئی پنڈلی ہوتی ہے؟ یہاں پنڈلی کو بمعنیٰ شدت وسختی مراد لینا ہی فصاحت اور درست معنیٰ قرار دیا جائے گا اور اگر آپ لفظی ترجمہ کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ میں لفظ ''پنڈلی'' کو بھی استعمال کر لیں تب بھی عوام وطلبا کے سامنے اس کی وضاحت آپ نے سختی وشدت سے ہی کرنی ہے ۔کوئی بھی بایں صورت اسے معنیٰ کا ابطال نہیں کہے گا تو جب یہی کام اشاعرہ وماتریدیہ نے کیا تو ان پر ابطال صفت ومعنیٰ کا الزام کیوں؟

یاد رہے کہ لغت عربی کو سمجھنے کیلئے کلام عربی کے اشعار سے استدلال ایک بدیہی امر ہے علما لغت و مفسرین نے اپنی کتب میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے ۔طلبا حضرات امام سیوطی رحمہ اللہ کی ''الاقتراح'' کو اس حوالے سے دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) اسی طرح آپ ''ضحك'' کی مثال لے لیں اگر کہیں نصوص میں رب تعالیٰ کیلئے ''ضَحِكَ اللهُ منه'' آیا ہے تو اس سے مراد معاذ اللہ خدا کا ہنسنا کھلکھلانا یا دانت ظاہر کرنا نہیں ۔بلکہ اس سے مراد ظهور الشيئ والامر یا جیسا کہ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ''تاسیس التقدیس'' میں کہا کہ لازم معنیٰ یعنی جب کوئی ہنستا ہے تو مراد خوشی اور نتیجہ انعام وشفقت ہوتی ہے اسی طرح اللہ کے ضحک سے مراد اس کی ''رحمت'' ہے اور ان معنوں

میں یہ کلام عرب میں مستعمل ہے چنانچہ حماسہ کا شعر ہے:

اَذَا هَزَّهُ فِي عَظْمِ قَرْنٍ تَهَلَّلَتْ
نَوَاجِذُ اَفْوَاهُ المَنَايَا الضَّوَاحِكُ

(دیوان حماسہ)

جب وہ کسی سردار کی ہڈی میں تلوار ہلاتا ہے تو ہنسنے والی موتوں کے دانت چمکنے لگتے ہیں۔

اب خدا لگے کہئے کیا "موت" کے بھی "دانت" ہوتے ہیں یا موت بھی کبھی "ہنستی" ہے؟ یہاں آپ یہی مراد لیں گے تلوار لگنے کے بعد سردار کی موت ظاہر ہوگئی یا سردار کا قتل کرنے کے بعد قاتل اس امر سے خوش ہوا جسے نواجذ و ضواحك سے تعبیر کیا گیا۔کوئی بھی اس معنیٰ کو ابطال سے تعبیر نہیں کرے گا اگر آپ اس کا حقیقی معنیٰ بھی کر لیں تب بھی طلبا کو شعر سمجھانے کیلئے یہاں نواجذ وضواحک کا یہی معنیٰ کریں گے تعجب کی بات ہے کہ موت جیسے "عارض و حادث" کیلئے تو نواجذ وضواحک اپنے حقیقی معنوں میں لینا خلاف عقل ہے لیکن جو ذات "لیس کمثله شيئ" ہے جو ذات "اللہ الصمد" ہے اس کیلئے تشبیہ و تجسیم کے خطرے کے پیش نظر حقیقی معنیٰ مراد نہ لینا اللہ کی صفت کا ابطال ہو جائے؟ وااسفا۔

(۳) جنب اللہ یا جانب اللہ: اسی طرح قرآن مجید یا احادیث میں کہیں اللہ کیلئے "جنب" یا "جانب" کا لفظ آیا ہے تو اس سے کوئی مخصوص مکان یا پہلو مراد نہیں بلکہ مراد حالت ہے۔مثلاً قرآن میں ہے: يٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُّ فِيۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ (سورۃ الزمر،۵۶) ہائے افسوس ان تقصیروں پر جو میں نے اللہ کے بارے میں کی۔اب یہ مراد نہیں کہ اللہ کسی جانب یا مکان میں ہے چنانچہ شعر ہے:

لنا جانب منه دميت و جانب
اذا رامه الاعدا ممتنع صعب

(دیوان حماسہ)

اس کی نرم جانب ہماری ہے اور دوسری جانب سخت و شدید ہے۔

کوئی بھی عقل مند یہاں "جانب" سے مراد پہلو یا عضو نہیں لے گا بلکہ شاعر کا مقصد یہاں جانب سے مراد "دو حالتوں" کا بیان ہے۔کہ ایک حالت اس کی ہمارے ساتھ نرمی، شفقت و محبت کی ہے اور دوسری حالت اس کی دشمنوں یا ہمارے دشمنوں کے ساتھ جس میں ان کیلئے سخت و ترش رو ہے۔اسی طرح جانب کی اضافت رب کی طرف بندوں کے حال احوال یا اللہ کی صفت تکوین کے کسی مظہر کی حالت کو بیان کرنے کے

جانب مشعر ہوگا۔

(۴) استوا علی العرش: اس مسئلہ پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے اس لئے میں یہاں اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔لیکن اگر اہل حق نے استوایا عرش کا حقیقی معنی نہیں کیا بلکہ مراد اس سے استولی لیا اور یا عرش سے مراد طاقت،قوت،عزت لے لیں تو ہر گز یہ صفت کا ابطال نہیں مثلاً شعر ہے:

رَاَوْ عَرْشِیْ تَثَلَّمَ جَانِبَاہُ

فَلَمَّا اَنْ تَثَلَّمَ اَفْرَدُوْنِی

(دیوان حماسہ)

انہوں نے دیکھا میرے عرش کو کہ اس کی دونوں جانب کند ہوگئی ہیں جب اس میں رخنے پڑ گئے ہیں تو انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔

کیا کوئی عقل مند یہاں ’’عرش‘‘ سے مراد ’’کوئی خاص تخت،جسد مخصوص‘‘ مراد لے گا؟ کیا اس کی دونوں جانب بھی کند ہوتے ہیں؟ اور اسے تنہا چھوڑنے پر بھلا شاعر کا کیا نقصان ہو رہا ہے؟ کیونکہ اس کا بدل لایا جاسکتا ہے بلکہ ہر عقل صاحب لسان یہاں عرش سے مراد شاعر کا جاہ و جلال اس کی عزت مراد لے گا تو اگر قرآن وسنت میں موجود عرش کو اسی قسم کے معنی سے تعبیر کیا جائے تو کونسے قاعدے وضابطے کی خلاف ورزی ہوئی ہے؟

(۵) **وجہ**:اس کا معنی اگر ذات یا ارادہ کرلیا جائے تو یہ ہر گز ابطال معنی وصفت نہیں بلکہ اس معنی میں یہ کلام عرب میں شائع ہے چنانچہ امام سیبویہ شعر نقل کرتے ہیں:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ذَنْباً لَّسْتُ مُحْصِیَہُ

رَبَّ العِبَادِ اِلَیْہِ الوجہُ والعملُ

میں اپنے بے شمار گناہوں پر رب سے معافی کا طلب گار ہوں جو کہ مخلوق کا رب ہے اسی کی طرف میرا قصد وعمل ہے۔

یہاں کوئی بھی وجہ سے مراد چہرہ نہیں لے گا بلکہ مراد قصد وارادہ ہے۔

فرزدق کا شعر ہے

وَ اَسْلَمْتُ وَجْھِیْ حِیْنَ شُدَّتْ رِکَائِبِیْ

اِلَی آلِ مَرْوَان بُنَاۃِ المَکَارِمِ

جب میری سواریاں باندھ دی گئیں تو میں نے متوجہ کیا اپنے ارادے وقصد کو آلِ مروان کی طرف جو کہ عزتوں وشرافتوں کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔

پس اگر كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ میں وجہ سے مراد اللہ کا چہرہ لینے کے بجائے اگر یہ معنی کرلیا جائے کہ ہر ایک کا عمل ہلاک برباد اور بے اجر رہے گا سوائے اس عمل کے جسے خالص اللہ کی رضا کے قصد وارادہ سے کیا ہو تو آخر کونسا آسمان گر جائے گا؟

(۶) اشاعرہ وماتریدیہ کلام نفسی کے قائل ہیں اور اسے اللہ کی صفت مانتے ہیں جو حروف، نقوش، ترتیب، اعراب وحرکات، صوت سے پاک ہے۔ موجودہ غیر مقلدین اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ کلام نفسی کوئی کلام نہیں ہوتا جو بھی کلام ہوگا کلام لفظی ہی ہوگا۔ شرح عقائد میں اس پر تفصیل موجود ہے مگر میں یہاں ایک اور شعر نقل کر رہا ہوں جو علم کلام کی عام کتب میں نہیں شاعر کہتا ہے:

اَقُوْلُ لِنَفْسِيْ حِيْنَ خَوَّدَ رَأْلُهَا

مَكَانَكِ لَمَّا تَشْفِقِيْ حِيْنَ مُشْفَقِ

(دیوان حماسہ)

میں اپنے جی میں کہتا ہوں اس حال میں کہ وہ بہادروں سے بسبب خوف کے حواس باختہ ہے کہ تیرا ناس ہو موت سے مت ڈر۔

یہاں جو شاعر کلام کر رہا ہے یہ کلام نفسی اور جی ہی جی میں کر رہا ہے کوئی بھی اس سے کلام لفظی مراد نہیں لے گا کیونکہ کلام لفظی کی صورت میں تو اس کا دشمن اس کی اس حالت سے باخبر ہو جائے گا کہ اس پر میرا خوف طاری ہوا اور یوں شاعر کا یہ کلام اس کی رسوائی وذلت کا سبب بنے گا۔ پس معلوم ہوا کہ نفس وجی میں جو کلام ہے اس پر بھی کلام کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو کہ کلام نفسی ہے ہاں بندوں کا کلام نفسی ورب کے کلام نفسی میں ایسا ہی فرق ہے جیسے خود بندے ورب میں فرق ہے۔

(۷) ید: اسی طرح آپ ید کے لفظ کو لے لیں یہ لفظ عضو جارحہ جو ہر انسان کے پاس ہے کہ علاوہ بھی دیگر کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً، قدرت، جود وسخاوت، حفاظت ہمارے اردو میں بھی یہ محاورہ زبان زد عام ہے ''فلاں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں'' یعنی طاقت واختیار والا ہے یہاں کوئی بھی حقیقی معنی میں نہیں لیتا۔ شاعر کہتا ہے:

وَ بَاسِطَ خَيرٍ فيكم بيمينه

و قابضَ شرٍ عنكم بشماله

وہ تم میں اپنے دائیں ہاتھ سے سخاوت کو پھیلانے والا ہے اور تم سے دشمنوں کے شر کو اپنے بائیں ہاتھ سے روکنے والا ہے۔

یہاں ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ''بسط الیمین'' سے مراد حقیقی داہنا ہاتھ نہیں بلکہ کرم، جود وسخاوت ہے، اور وقبض الشمال سے مراد دشمن کو روکنا اور قوم کی عزت وآبرو کی حفاظت کرتا ہے۔

حضرت بی بی خنسا رضی اللہ تعالی عنہا کی طرف شعر منسوب ہے

اذا القوم مدوا بأيديهم
الى المجد مد اليه يدا
فنال الذى فوق ايديهم
من المجد ثم مضى مصعدا

جب تیری قوم بزرگی کی طرف اپنے ہاتھوں کو بڑھاتی ہے تو وہ بھی اس بزرگی کی طرف ہاتھ کو بڑھاتا ہے پس وہ اس بزرگی کو پالیتا ہے جو ان کے ہاتھوں سے اوپر ہوتی ہے پھر وہ اوپر چڑھتا ہی رہتا ہے۔

کیا یہاں ''فوق ايديهم '' سے حقیقی ہاتھ مراد لیا جائے گا؟ یا محض بزرگی، کرم، شرافت مدد و نصرت کو پالینا مراد ہے؟ تو اگر يد الله فوق ايديهم میں کسی نے ید اللہ کا ترجمہ اللہ کی مدد نصرت، کرلیا تو یہ ید کے معنی کا ابطال کیسے ہوگیا؟ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (سورہ بنی اسرائیل ۲۹)

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ پورا کھول دو کہ پھر ملامت میں، حسرت میں بیٹھے رہ جاؤ۔

کیا کوئی یہاں ''يدك مغلولة '' کا یہی حقیقی ترجمہ کرے گا کہ کنجوس وسخی آدمی کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا یا کھلا ہوا ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو کیا فصاحت ہے یارب سبحان!! بلکہ آپ بھی یہی کہیں گے کہ یہاں ید سے مراد ''حقیقی ہاتھ آلہ جارحۃ'' نہیں بلکہ اسراف وکنجوسی کے درمیان میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ ایک اور مقام پر ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (سورۃ المائدۃ، ۶۴)

اور یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے کی وجہ سے لعنت ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ کشادہ ہیں جیسے چاہتا ہے خرچ فرماتا ہے۔

کیا یہود کا مقصد و عقیدہ یہی تھا کہ معاذ اللہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں جو بندھے ہوئے ہیں نہیں تو آگے جو رب تعالی کیلئے یداہ مبسوطتان ہے اس سے مراد بھی معاذ اللہ خدا کے حقیقی ہاتھ نہیں بلکہ ید سے مراد سخاوت جود و کرم ہے جس پر دلیل خود آگے ہی اللہ کا فرمان یُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ہے۔

پس بخاری میں جو نبی ﷺ کا فرمان يَدُ اللّٰهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (بخاری)

تو اس میں ید اللہ سے مراد ہرگز معاذ اللہ معنیٰ حقیقی آلۃ جارحہ مراد نہیں بلکہ اللہ کی جود و سخاوت مراد ہے جو صبح و شام اپنے بندوں پر ہے کوئی روکنے والا اسے روک نہیں سکتا۔

موجودہ سلفی حضرات کہتے ہیں کہ قرآن میں کہیں بھی مجاز نہیں جو ہے حقیقی ہے۔اس باب میں انہوں نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کی تقلید کی اگرچہ بعض حضرات نے جمہور و شیخ الاسلام کے موقف کے درمیان لفظی اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کی مگر یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں اگر اس کو مان لیا جائے کہ قرآن میں چونکہ کوئی مجاز نہیں لہذا صفات متشابہات کو بہر صورت حقیقت پر محمول کرنا ہوگا تو پھر ان آیات کا حقیقی معنی کی صورت میں ترجمہ کر کے دیں۔بندہ نے قریبا قرآن کی ۶۰ سے زائد آیات کو جمع کیا ہے جس میں مجاز ہے مثلا ایک اور آیت ملاحظہ ہو: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ ۖ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے

یہاں ربحت کا فاعل تجارت کو قرار دیا تو کیا تجارت بھی نفع لاتی ہے؟

……◆……

حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ و نائب مدیر ماہنامہ محدث عصر، دیوبند

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کا اسمِ گرامی آئے تو وہ نام جن کی طرف ذہن فوراً سبقت کرتا ہے ان میں حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری قدس سرہ بھی شامل ہیں۔ یہ اپنے وقت کے انتہائی پختہ عالم، بالغ نظر محقق، علمِ حدیث کے ماہر اور اشتغال بالعلم کے ایک کوہِ نور تھے۔ وہ ان سعادت مندوں میں سے تھے جنہیں ابنِ حجر ہندی یعنی کشمیری الامامؒ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ ان کے کام کی دھن اور علمی تشنگی دیکھ کر علامہ فرمایا کرتے کہ:

''یہ صاحب اگر پہلے سے ہم کو میسر آ جاتے تو بڑا کام ہو جاتا۔''

اسی سے ان کی علمی جلالت، ان کا شوقِ علم، ان کی کتب بینی اور ان کی فنائیت فی الحدیث کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انہیں وقت کے اس بے نظیر محدث کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔ علامہ کی دو بیٹیوں میں سے چھوٹی صاحبزادی ''راشدہ خاتون'' ان سے منسوب تھیں۔

ولادت، تعلیم وتربیت

مولانا مرحوم اپنے والدین کے تین فرزندوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ ان کی ولادت جنوری 1907 میں بمقام بجنور ہوئی۔ والدِ گرامی کا نام پیر جی شبیر علی تھا جو انساب کی تحقیق وجستجو کا خاصا شغف رکھتے۔ نجیب الطرفین تھے۔ سلسلۂ نسب نواسۂ رسول سیدنا حضرت حسینؓ اور سیدنا حضرت حسنؓ تک پہونچتا ہے۔ آبائی تعلق ضلع سیتاپور سے تھا۔ نانیہال جہاں آباد بجنور میں۔ اپنی تعلیم وتربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ:

''احقر کی ابتدائی فارسی وغیرہ کی تعلیم بجنور ہوئی۔ دس سال کی عمر میں عربی کے لیے

سیوہارہ کے مدرسہ فیضِ عام میں داخل ہوا۔ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب دام ظلہم بھی اس وقت وہاں فوقانی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ مرحوم اس وقت وہیں مقیم تھے۔ ان دونوں حضرات سے تعلق، نیازمندی اسی زمانے سے حاصل ہوا۔ وہاں میرا قیام اپنے تائے ''میر فیاض علی مرحوم'' کے تعلقات کی وجہ سے جناب چودھری مختار احمد صاحب رئیسِ سیوہارہ کے درِ دولت پر رہا، جو بڑے علم دوست، نہایت عالی قدر، مرجعِ عوام وخواص بزرگ تھے۔ غالباً 18ء تک وہاں رہا۔ 19 تا 22ء مدرسہ قادریہ حسن پور جا کر تعلیم جاری رکھی۔ وہاں حضرت مولانا ولی احمد صاحب کیمل پوری (تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہوا۔ مطالعۂ کتب کا ذوق وشوق بھی جو کچھ حاصل ہوا وہ انہیں کا فیض ہے۔ 23 تا 26ء دارالعلوم دیوبند میں رہا۔ اس چار سالہ قیام میں زیادہ تعلق حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت مفتی (عزیز الرحمن عثمانی) صاحبؒ اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے رہا۔ 45، 46ھ جس میں دورۂ حدیث تھا، اصلاحی تحریک کی تائید میں طلبہ نے دوبار تعلیمی مقاطعہ کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ چند ماہ ترمذی پڑھا چکے تھے۔ پھر مستعفی ہو گئے اور دوسرے اکابر اساتذہ نے بھی ترکِ تعلق کیا تو طلبہ نے مکمل اسٹرائک کی، جس میں احقر بھی شریک تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے ترکِ تعلق پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے باقی ترمذی شریف وبخاری شریف پڑھائی۔ دوسری اسٹرائک ہوئی تو احقر نے عدمِ شرکت اور تعلیم پوری کرنے کو ترجیح دی، جس کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی اجازت حاصل ہو گئی۔ اس طرح وہ دورہ کا سال پورا کر کے احقر تبلیغ کالج کرنال چلا گیا۔ وہاں تین سال اور چند ماہ رہ کر تبلیغی ضرورت کے لیے انگریزی پڑھی۔ ادبِ عربی کے تخصص کا نصاب پورا کیا اور کتبِ مذاہب وملل کا مطالعہ، مشقِ تقریر، تحریر ومناظرہ کا سلسلہ رہا۔'' (انوار الباری، ج2، ص274)

مولانا مرحوم نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی، فاضل کا امتحان بھی دیا اور اس میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب بھی رہے۔ اتنا ہی نہیں، چار سال تک مولوی فاضل کے پرچہ جواب مضمونِ عربی کے ممتحن بھی رہے۔

امام العصر الکشمیریؒ سے خصوصی تعلق

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے خصوصی تعلق تو دیوبند کے زمانۂ قیام میں ہی ہو گیا تھا۔ جب کشمیری المحدثؒ نے دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی کی اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل پہونچ گئے تو ان کی بھی

خواہش ڈابھیل جانے کی تھی، مگر کشمیر کے اس مایۂ ناز سپوت کے مشورے پر دارالعلوم میں ہی دورۂ حدیث مکمل کیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ ڈابھیل میں مجلسِ علمی قائم ہوئی تو مولانا مرحوم ڈابھیل چلے گئے اور اپنے استاذِ گرامی سے استفادے کا سلسلہ شروع کر دیا، جس پر وہ اللہ کا بے پناہ شکر ادا کرتے۔ اسی انوار الباری میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''وہاں سے فارغ ہو کر 29ء میں ڈابھیل پہونچا اور مجلسِ علمی سے تعلق ہوا جو 45ء تک باقی رہا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مجلس کو مستقل طور سے کراچی منتقل کرنا پڑا۔ حضرت مخدوم و محترم مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب بانی و سرپرستِ مجلس نے احقر کو وہاں بھی بلانا چاہا اور اپنے خصوصی تعلق کی بنا پر مع متعلقین کراچی میں رہنے کی سہولتیں بھی دینا چاہیں، مگر احقر کے لیے بعض وجوہ سے ترکِ وطن کو ترجیح نہ ہو سکی۔

کرشمۂ غیبی، حق تعالیٰ کی شانِ کریمی اور فضل و انعام کو دیکھیے کہ 46ھ میں دورہ کے سال حضرت شاہ صاحبؒ کے بےنظیر حدیثی درس کی تشنگی سے جو دل شکستگی ہوئی تھی اور حضرت ہی کی اجازت پر تعلیمی سال بادلِ ناخواستہ پورا کر لیا تھا۔ اس کی تلافی چند سال بعد ڈابھیل کے قیام میں ہوئی کہ آپ کے آخری دو سال کے درسِ بخاری شریف میں شرکت و استفادہ کی نعمتِ غیر مترقبہ مل گئی۔ (ایضاً، ص 274، 275)

امام کشمیریؒ سے وابستگی کی دل چسپ داستان

مولانا مرحوم حافظ العلم والحدیث امام الکشمیریؒ کے دامنِ علم سے کس طرح وابستہ ہوئے اور ان سے وابستگی نے انہیں کیا کچھ عطا کیا، اسے جاننا ہو تو ان کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''میں اپنی زندگی کے ان گراں قدر لمحات پر جس قدر بھی فخر کروں، بجا ہے، جو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں گزرے اور ان میں حضرتؒ سے اکثر اوقات استفادہ کے مواقع میسر آئے۔

یوں تو دارالعلوم دیوبند پہونچنے کے بعد ابتدا ہی سے حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم کے تعلق کی بنا پر حضرت شاہ صاحبؒ سے ایک گہرا تعلق ہو گیا تھا، مگر خدا کا شکر ہے کہ آخری سال (جو اسٹرائک و ہنگاموں کا سال تھا) چند ماہ درسِ حدیث میں بھی باقاعدہ شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اور اب تک ثلجِ صدر کی وہ کیفیت اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں جو حضرت

نے ترمذی کے درس کے وقت مہمات مسائل پر اپنے کافی وشافی بیانات سے فائض کی تھی۔ یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ چند بار دارالحدیث سے اپنے اوپر کے کمرے میں تشریف لے جاتے ہوئے حضرت کے ساتھ ہو گیا اور راستہ میں بھی کچھ پوچھتا گیا۔ حضرت نے شفقت سے جواب دے کر تشفی فرمائی۔

چند ماہ کے بعد حضرتؒ نے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی اور احقر نے اپنی کچھ مجبوریوں کے پیشِ نظر حضرتؒ سے استصواب کے بعد وہ سال دورہ حدیث کا دیوبند رہ کر ہی پورا کیا۔'' ملفوظات محدث کشمیریؒ،ص25)

امام الکشمیریؒ سے فدائیانہ تعلق اور عقیدت و نیازمندی نے انہیں مقامِ شاگردی کے ساتھ ان کے گھر کا ایک فرد بھی بنا دیا، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔نکاح مشہور مفسر ومحدث حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھایا تھا۔ مولانا رحمہ اللہ اپنی اس نسبت پر بڑے شاد رہتے اور اسے ایک عظیم نعمت باور کرتے۔ اسی کتاب میں انہوں نے لکھا ہے:

''یہاں بطورِ تحدیثِ نعمت یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ 47ء میں احقر کا نکاح حضرت شاہ صاحبؒ کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا۔ ان سے حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کے بہت سے واقعات خصوصاً گھریلو زندگی کے بہت سے حالات کا علم بھی مجھے ہوا۔ خدا کرے حضرت شاہ صاحبؒ کے اس تعلق سے مجھے نفعِ آخرت بھی حاصل ہو۔'' (ایضاً،ص275)

مولانا کی تدریسی واہتمامی خدمات

فراغت کے بعد جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل پہونچے تو مجلسِ علمی کی ذمے داری سنبھالنے کے ساتھ اس جامعہ میں کتابیں بھی پڑھائیں۔ مہتمم صاحبؒ کی غیر موجودگی میں جامعہ کا انتظام وانصرام بھی دیکھا۔ اسی کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''زمانہ تعلق مجلسِ علمی ڈابھیل میں پانچ چھ سال تک کتبِ درسیہ بھی جامعہ ڈابھیل میں پڑھائیں۔ یاد ہے کہ البلاغۃ الواضحہ، قدوری، کنز وہدایہ، میبذی، شرح عقائد، دیوانِ متنبی وسبعہ معلقہ وغیرہ پڑھائیں۔ حضرت مولانا احمد بزرگ صاحبؒ جس زمانے میں افریقہ گئے تھے تو اہتمامِ جامعہ بھی احقر و مولانا مفتی بسم اللہ صاحبؒ کو سپرد کر گئے تھے۔'' (ایضاً،ص275)

مجلسِ علمی ڈابھیل سے وابستگی

امام العصر علامہ کشمیریؒ کی ڈابھیل آمد نے جو عظیم علمی انقلاب برپا کیا تھا، ان میں سے ایک مجلسِ علمی ڈابھیل بھی ہے۔ اس کے سرپرستِ اول علامہ کشمیریؒ ہوئے اور اس کی مکمل باگ ڈور مولانا بجنوریؒ کے ہاتھ میں۔ محدثِ عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو جامعہ ڈابھیل وہی لے کر آئے۔ اس مجلس کی روداد اور علمی سرگرمیاں بھی انہیں کے قلم سے سنئے:

’’راقم الحروف کو مولانا محمد میاں سملکیؒ نے ۱۳۴۹ھ میں ڈابھیل بلایا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں مجلس علمی کی بنیاد ڈال کر اس کے کام احقر کے سپرد کر دیئے پھر کچھ عرصہ قیام کر کے وہ بھی افریقہ چلے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات ۱۳۵۲ھ کے بعد مجلس علمی کی سرپرستی ان کے جانشین علامہ محقق مولانا (شبیر احمد) عثمانیؒ نے منظور فرمائی۔ اس وقت احقر نے مولانا بنوریؒ کو پشاور سے جامعہ ڈابھیل بلانے کی تحریک کی اور مہتمم صاحب جامعہ کی منظوری حاصل کر کے وہاں بلا لیا۔ موصوف نے درسی خدمات کے ساتھ مجلس علمی کے کاموں میں بھی میری اعانت و شرکت کی حضرت شاہ صاحب کی مکمل سوانح عمری اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ عربی میں تالیف کی جو مجلس سے اسی وقت شائع ہوگئی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ہی حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے مجلس علمی کی تحریک پر فیض الباری مرتب کی اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ گوجرانوالہ نے نصب الرایۃ کی تصحیح و تحشیہ کی خدمت انجام دی، ان تینوں کتابوں کو لے کر احقر اور مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ حرمین شریفین ہوتے ہوئے مصر گئے اور وہاں نو دس ماہ رہ کر ان کو طبع کرایا، ساتھ ہی وہاں کے اکابر علماء کرام اور کتب خانوں سے استفادہ بھی کرتے رہے، مصر کا یہ سفر ۱۳۵۷ھ میں ہوا تھا، مصر سے واپسی کے دوران حجاز مقدس جانا ہوا، وہاں سعودی فرماں روا ملک عبدالعزیز سے ملاقات ہوئی انہوں نے حجاز کے علماء اور کتب خانوں کے لئے فیض الباری کے سو نسخے خریدے۔ مصر سے واپس ہو کر یہ طے کیا گیا کہ مولانا بنوریؒ العرف الشذی پر کام کریں تا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و کمالات کو زیادہ سے زیادہ بہتر صورت میں نمایاں کیا جا سکے۔‘‘

(بینات، کراچی، ص: ۶۳۵، بیاد حضرت بنوریؒ)

ڈابھیل کی ملازمت کے لیے مولانا مرحوم کے محرک مولانا مشیت اللہ بجنوریؒ اور مولانا بشیر احمد بھٹہ

صاحبؒ تھے۔ان کا ہی بیان ہے کہ:

''فراغت کے بعد مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم اور مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم کے ایما پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہونچا۔ وہاں محترم مولانا محمد میاں صاحبؒ سملکی (افریقی) نے حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں مجلسِ علمی قائم کی، جس سے اکابرِ امت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اور خود حضرت شاہ صاحبؒ کے نادر علمی خزینوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔''(ملفوظاتِ محدثِ کشمیریؒ،ص26)

پھر یہ مجلس ڈابھیل سے کراچی منتقل کر دی گئی تو مولانا کو بڑی پیش کش ہوئی کہ وہ بھی ہندوستان چھوڑ کر پاکستان آ جائیں اور مجلس کا انتظام وانصرام اب وہیں سرانجام دیں، مگر مرحوم اس پر آمادہ نہ ہوئے۔انہوں نے ہی لکھا ہے کہ:

''رفتہ رفتہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مجلس کو مستقل طور سے کراچی منتقل کرنا پڑا۔ حضرت مخدوم ومحترم مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحبؒ بانی وسرپرست مجلس نے احقر کو وہاں لانا چاہا اور اپنے خصوصی تعلق کی بنا پر مع متعلقین کراچی میں رہنے کی سہولتیں بھی دینا چاہیں، مگر احقر کے لیے بعض وجوہ سے ترکِ وطن کو ترجیح نہ ہوسکی۔''(انوار الباری، ج2،ص275)

مولانا کے علمی کارنامے

مولانا مرحوم کا میدان خالص علمی تھا۔وہ جہاں کہیں بھی رہے، لکھنے پڑھنے کو ہی اپنا شغل بنائے رکھا۔ ڈابھیل کی مجلسِ علمی ان کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔اس ادارے کو جس حسن وخوبی سے چلایا اس نے علمی دنیا کو اپنا گرویدہ کرلیا۔امام العصر علامہ کشمیریؒ کے علوم ومعارف اس مجلس سے شائع ہوئے اور کائناتِ علم وفضل میں اپنی انفرادیت کا پرچم لہرایا۔فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا احمد رضا کی رفاقت پر علامہ فرماتے کہ یہ صاحب اگر پہلے ہم کو میسر آ جاتے تو بڑا کام ہوجاتا۔شب وروز کی یک جائی چند ہی سالہ تھی، مگر بعض روشن باطن مسترشدین نے مرشدِ کامل سے چند ساعتی صحبت میں تجلیۂ باطن کی سند لے لی تو پھر اس میں استعجاب کیا کہ ایک طالبِ علم چند سالوں میں اپنے جیب ودامن کو ایک بحر العلوم کی صحبت سے علم کے زریں سکّوں سے لبریز کرلے۔

علامہ کشمیریؒ کے مسودات کو پڑھنا اور ان کی تبییض کارِ مشکل تھا۔اہلِ سواد اور ذی

استعداد عالم و فاضل ہی اس مہم کو انجام دیتے۔ مرحوم نے اس سنگلاخ کو اس خوبی سے عبور کیا کہ بہت جلد علامہ کی نظر میں اعتماد حاصل کر لیا۔ جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے ساتھ مجلسِ علمی کا انصرام وانتظام مولانا احمد رضا صاحب ہی سے متعلق رہا۔ ان کی جد و جہد سے اس ادارے نے قلیل عرصے میں ہندوستان کے علمی اداروں میں اپنا مقام بنالیا۔ شاہ ولی اللہ اور علامہ کشمیریؒ کی تالیفات وتصانیف منظرِ عام پر آئیں۔'' (لالہ وگل، ص 291)

مولانا مرحوم نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ملفوظات محدثِ کشمیری ان کی تابندہ اور پائیدار کتاب ہے۔ اس میں علامہ قدس سرہ کے گراں قدر ملفوظات کا نادر خزانہ ہے، جس سے اہلِ علم مستغنی نہیں ہوسکتے۔ یہ کتاب ۴۰۰ سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

مولانا کی دوسری تصنیف انوار الباری ہے، جو کئی جلدوں میں چھپ کر اہلِ علم وبصیرت کے لیے سرمہ درِّ نجف ہے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''شروحاتِ بخاری کی کمی نہیں۔ عربی، فارسی، اردو ہر ایک زبان میں اس عظیم کتاب سے متعلق تشریح وتسہیل کا ذخیرہ موجود ہے، لیکن انوار الباری منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں حدیث کی بھرپور تشریح کے ساتھ اکابرِ علم کے چھنے چھنائے اقوال زینتِ کتاب ہیں۔ علامہ کشمیریؒ کے بلند پایہ علوم سے یہ شرح مزین ہے اور بیشتر انہیں کے لب ولہجہ میں۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت حنفیت کی بنیادوں کا استحکام، دفاع عن ابی حنیفہ، رجالِ احناف پر ناروا مظالم کی تردید، امام بخاری علیہ الرحمہ کی حنفیہ سے بدگمانیوں کا ازالہ، حافظ ابنِ حجر کی زیادتیوں کا تعاقب، چاروں فقہوں میں حنفیت کی ترجیح، قدیم علوم کے دوش بدوش جدید معلومات کا اضافہ اور رائج الوقت غلط افکار ونظریات پر معتدل تبصرہ ہے۔ غالباً 20 ر کے قریب اقساط منظرِ عام پر آ کر قدر شناس علما کی تحسین کا انبار اپنی پشت پر رکھتی ہیں۔ بہت بڑا کام تھا جو مولانا نے انجام دیا۔'' (لالہ وگل، ص 292)

انوار الباری کی پذیرائی کرنے والوں میں وقت کے بڑے بڑے جبالِ علم اور فضل وکمال کے فلک الافلاک ہیں، جن میں سے مولانا سید محمد یوسف بنوری، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالماجد دریابادی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا بنوریؒ کی تو خواہش تھی بلکہ شدید اصرار کہ مولانا بجنوریؒ ہندوستان چھوڑ کر پھر کراچی آ جائیں اور

انوار الباری کی تکمیل بھی ان کے پاس رہ کر کر لیں، مگر ایسا نہ ہوسکا۔ مولانا کا اپنا تبصرہ یہ ہے کہ:

''اب چند سالوں سے مولانا بنوریؒ مرحوم کا اصرار تھا کہ میں پھر سے کراچی کا ارادہ کروں اور انوار الباری کی تکمیل بھی ان کے پاس ہی رہ کر کروں۔ اگر ایسا ہوسکتا تو ممکن تھا کہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے مشاغل سے ہٹا کر معارف السنن کی تکمیل کرا دیتا، مگر **لا راد لقضائه**'' (بینات، خصوصی شمارہ، ص: ۶۳۵)

کچھ اور علمی و تنظیمی سرگرمیاں

مولانا مرحوم نے تصنیفات و تالیفات کے علاوہ تسہیل و تنقیح کا بھی کام کیا۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف ان کا خاص موضوع تھا۔ ان کے اس ذوق نے انہیں دار العلوم دیوبند میں بھی خدمت کا موقع دیا۔ مولانا نے خود ہی لکھا ہے کہ:

''اب دو سال سے دار العلوم دیوبند کے شعبۂ نشر و اشاعت سے تعلق ہے، جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی تصانیف کی تسہیل، عنوان بندی و تصحیحِ اغلاطِ مطبعی وغیرہ کا کام سپرد ہے۔'' (انوار الباری، ص276)

فخر المحدثین حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''مولانا ڈابھیل سے اٹھے اور کچھ عرصے کے بعد دار العلوم دیوبند سے متعلق ہوئے۔ یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کے مآثرِ علمیہ کی تسہیل کا اہم کام شروع کیا۔ حفیدِ نانوتوی مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے اس تسہیل کو دیکھ کر آپ کا فوراً تقرر کر لیا۔'' (لالہ وگل، ص292)

مولانا نے روزنامہ الجمعیۃ میں بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ وہ دور تھا جب مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ اس کے ناظم ہوا کرتے تھے۔ مولانا نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''46 سے 52ء تک احقر کا قیام بجنور رہا، جس میں مطب کا مشغلہ اور کچھ لکھنے پڑھنے کا کام بھی اہتمامِ یتیم خانہ اسلامیہ بجنور کے ساتھ رہا۔ 53ء سے 59ء تک دہلی میں قیام رہا، جس میں دفترِ روزنامہ الجمعیۃ اور الجمعیۃ پریس سے انتظامی تعلق رہا۔''
(انوار الباری، ص275)

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کا سبق آموز واقعہ

اسی زمانے کا یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری قدس سرہ کے بڑے صاحب زادے مولانا سید ارشد رضا بجنوری کہتے ہیں کہ میں جمعیۃ علمائے ہند میں والد صاحب کے ساتھ مقیم تھا۔ ایک دن والد صاحب کو رخصت لینی تھی۔ انہوں نے مولانا سیوہارویؒ کے نام ایک پرچہ لکھا، جس کی پیشانی پر مولانا کے نام کے ساتھ مجاہدِ ملت بھی لکھا تھا۔ میں وہ پرچہ لے کر مولانا کے پاس گیا۔ انہوں نے پرچے کی پشت پر لکھا: منظور ہے، اور پرچہ میرے حوالے کر دیا کہ اپنے والد کو دے آؤ! والد صاحبؒ نے کھولا تو دنگ رہ گئے۔ مجاہدِ ملت پر قلم چل چکا تھا اور ہدایت کر دی گئی تھی کہ میرے نام کے ساتھ کوئی لقب ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

مولانا کے علمی اسفار

مولانا نے علم اور کتب بینی کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا۔ اس کے لیے اکابرِ وقت سے خط و کتابت کے ساتھ اسفار بھی کیے۔ ملکی بھی اور غیر ملکی بھی۔ بقول شاہ صاحب قدس سرہ وہ جہاں گشت بھی تھے۔ سعودی عرب، قاہرہ، استنبول، افریقہ، ہند و پاکستان کے اسفار برابر ہوتے رہے۔ یہ اسفار زیادہ تر علمی نوعیت کے تھے، علماء کے ساتھ مجلسیں، مذاکرے، استفادے ان کے پیشِ نظر ہوتے۔ سیمیناروں میں بھی انہوں نے خوب شرکت کی۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں علامہ کشمیریؒ کی حیات و خدمات پر جو تاریخی سیمینار ہوا اس میں بطور خاص شریک ہوئے اور اپنا مقالہ بھی سنایا جو ''تصویر انور'' میں شریک اشاعت ہے۔ اپنے بعض اسفار کا حال خود بھی انہوں نے لکھا ہے کہ:

> ''38ء و 39ء میں فیض الباری و نصب الرایہ وغیرہ طبع کرانے کی غرض سے رفیقِ محترم مولانا المکرم علامہ بنوری کے ساتھ حرمین و مصر و ترکی کا سفر ہوا۔ نو دس ماہ قیامِ مصر میں علامہ کوثریؒ سے تعلق و استفادات بھی بڑی نعمت تھے۔ جس طرح ترکی کے کتب خانوں کی بے نظیر مخطوطات عالم اور مصر کے معاہدِ اسلامیہ کی زیارت قابلِ فراموش نہیں۔ اس خالص علمی سفر کے اول و آخر جو اپنے محبوب ترین روحانی مراکز مکہ معظّمہ و مدینہ طیبہ کی حاضری و حج و زیارت کی نعمت و سعادت اور دونوں بار طویل قیاموں میں علمائے حرمین سے تعلق و استفادات، معابد و مکاتبِ حرمین کی زیارت، یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے اوپر کسی نعمت کا تصور اس دنیوی زندگی میں نہیں ہو سکتا۔'' (ایضاً)

مولانا کی روحانی وابستگی

مولانا مرحوم نے بھرپور علم کے ساتھ قابلِ رشک باعمل زندگی بھی گزاری۔ فخر المحدثین حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ مرحوم صوم وصلوۃ کے بڑے پابند تھے۔ خود کہتے کہ بالغ ہونے کے بعد نہ کوئی نماز گئی، نہ کوئی روزہ۔ تمام عمر کسی نہ کسی پیر و مرشد سے وابستہ رہے اور جلائے باطن کا سامان کیا۔ یہاں سب سے قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مولانا نے اخیر میں جس شخصیت کو اپنا پیر و مرشد بنایا وہ عمر میں ان سے نو سال چھوٹے تھے۔ کسر نفسی، تواضع اور محویت اسی کو کہتے ہیں۔ یہ دل پذیر داستان بھی مولانا کے قلم سے سنیے:

> ''دارالعلوم سے فراغت کے بعد بیعتِ سلوک کی طرف رجحان ہوا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے استشارہ کیا کہ کس سے بیعت ہوں؟ تو حضرت نے شیخ وقت مولانا حسین علی صاحب میاں والی قدس سرہ کا مشورہ دیا۔ احقر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور تا حیات استفادات کرتا رہا۔ چند سال قبل حضرت شیخ و مرشد مولانا عبداللہ شاہ صاحب خلیفۂ حضرت مولانا احمد خان صاحب کندیاں ضلع میاں والی سے پہلے ذریعۂ مکاتبت اور پھر سرہند شریف میں وقت زیارت مشافہۃً شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح آپ کے جانشین حضرت شیخ و مرشد مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم سے ذریعۂ مکاتبت، پھر گزشتہ سال وقت تشریف آوری دیوبند مشافہۃً بیعت سے مشرف ہوا۔''
>
> (انوار الباری، ج2، ص275)

ڈاکٹر اقبال اور مولانا آزاد سے خط و کتابت

علم اور کتب بینی کے ذوقِ فراواں کی بنا پر ملک و بیرون ملک کے علما و ادبا سے ان کے مراسم رہے۔ ان سے خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ بھی رہا۔ جن نامور شخصیات سے انہوں نے مراسلت رکھی ان میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر اقبال بھی شامل ہیں۔ مولانا آزاد کا لکھا ہوا ان کے نام خط آج بھی محفوظ ہے۔ ڈاکٹر اقبال کے کئی خطوط متعدد کتابوں میں شائع ہیں، جو مولانا کے نام تحریر کیے گئے۔ ان کے بڑے فرزند مولانا ارشد رضا بجنوری کہتے ہیں کہ علما کے خطوط اس فراوانی سے ان کے نام آئے کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ کچھ نمونے انوار الباری میں بھی موجود ہیں۔

مولانا کی وفات

مولانا نے بحمداللہ خوب لمبی عمر پائی۔ صحت ہمیشہ قابلِ رشک رہی۔ اخیر میں بیمار پڑے اور یہی علالت ان کے لیے مرض الموت ثابت ہوئی۔ فخر المحدثین حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ”ایک زمانے میں ان کی صحت نوجوانوں کے لیے موجب رشک تھی۔ مقویات کے ہمیشہ عادی رہے۔ معجون فلاسفہ اور جوارشِ جالینوس خود بھی استعمال کرتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے۔ اور لاریب یونانی طب کی ان ہر دو مایہ ناز ادویہ کا ان کی صحت وتوانائی میں اخیر تک حصہ رہا۔ خدا تعالیٰ نے اولاد بھی خوب دی۔ سب پڑھے لکھے اور برسرِ روزگار۔ خاتمۂ عمر پر انکھ کا آپریشن ان کے لیے روح فرسا ثابت ہوا۔ صحت گرتی گئی۔ موت سے قریب اور زندگی سے بمراحل دور ہوتے گئے۔ موت قابلِ رشک ہے۔ رمضان المبارک، آخری عشرہ میں جان جاں آفریں کو سپرد کی۔ آخری تمنا اپنے استاذ اکبر حضرت علامہ کشمیری کے ساتھ دفن کی تھی، بلکہ وصیت بھی کی تھی، مگر افسوس ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اب اپنے وطن مالوف کے خاموش قبرستان کے گوشے میں محوِ استراحت ہیں۔“ (لالہ وگل، ص293)

مولانا نے آنکھیں کھولیں جنوری 1907 میں اور وفات ہوئی جنوری 1998 میں۔ یعنی عمر مبارک پورے 90 سال ہوئی۔

پسماندگان میں پانچ بیٹے اور چار بیٹیوں سمیت متعدد پوتے، پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔ **حفظھم اللہ و تغمدہ اللہ بغفرانہ۔**

……✦……

فلسطین، مسجد اقصی تاریخی حقائق

صیہونی بربریت اور مغرب کی انسان دشمنی

مولانا زبیر احمد صدیقی

اسرائیل نامی ریاست کا تعلق ایسی قوم سے ہے جو انبیاء علیہم السلام، علماء اور اولیاء کے قاتل، لعنت خداوندی، غضب الٰہی کی سکہ بند مستحق، متکبر، سفاک، حیلہ وچال باز، حق کے دشمن، آسمانی کتابوں کے محرف، انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے گستاخ و نافرمان، ذلت و مسکنت، عداوت اسلام کا تمغہ رکھنے والے حاسد، بدکردار، بد باطن، عالمی طاقتوں کے ایجنٹ اور ممسوخ الفطرت یہود ہیں، ان کی جانب سے 1948ء سے فلسطین کی سرزمین پر ناجائز قبضہ کرنے، نیز ان کے گھروں سے انہیں بے دخل کرنے کے بعد سے شروع ہونے والے انسانیت سوز مظالم کا سلسلہ 7 اکتوبر 2023ء کی طوفان الاقصیٰ کی جنگ کے بعد اپنی انتہا کو پہنچ چکا۔غزہ پر دن رات بمباری جاری ہے،غزہ کی بجلی، گیس اور غذائی اشیاء بند کر دی گئی ہیں، ایک جانب شیر خوار بچوں سے لے کر بزرگ اور بے گناہ شہری یہودیوں کے مظالم سے جام شہادت نوش کر چکے ہیں، دوسری جانب بھوک وافلاس سے لوگ جان بلب ہیں۔

غزہ کے ہسپتال تک کو بمباری میں زمین بوس کر کے کم وبیش ایک ہزار زخمیوں کو شہید کر دیا گیا ہے، اطلاعات کے مطابق اسرائیلی خون چکاں مظالم سے ہزاروں شہداء کی نعشیں بے گوروکفن پڑی ہیں، عمارتیں زمین بوس ہو چکی ہیں، لوگوں کو غزہ چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، جبری ہجرت کے لیے دھمکیاں دی جا رہی ہیں، اسرائیلی درندوں نے غزہ میں داخل ہو کر زمینی جنگ شروع کرنے کا الٹی میٹم بھی دے دیا ہے، اس خوں خوار بھیڑیے کے منھ کو انسانی خون لگ چکا ہے، یہ خوں خوار درندہ اب تک ہزاروں کلمہ گو مرد وخواتین، بچوں اور بوڑھوں کو ہڑپ کر کے سیر ہونے کا نام نہیں لے رہا، جن عالمی اسلام دشمن قوتوں نے اسرائیل کی بنیاد رکھی تھی، وہ قوتیں امریکہ یورپ آج بھی انسانی حقوق کے نام نہاد محافظ ہونے کے دعووں کے باوجود ان ہولناک مظالم پر خوش وخرم اور شاداں ورقص کناں ہیں، ان بین الاقوامی منافقوں کو اہل فلسطین شاید

انسان نہیں لگتے، انسان تو انسان، جانوروں تک کے حقوق کے نعرے الاپنے والوں کو فلسطین کا المیہ نظر نہیں آتا، الٹا امریکہ کے بحری بیڑے اور اسلحہ اسرائیلی مظالم میں حصہ دار و شریک بن چکے ہیں۔

دوسری جانب اسلامی ممالک کی حکومتیں زبانی جمع خرچ اور لیپا پوتی میں مصروف ہیں، کوئی دو ریاستی حل پیش کر کے مسجد اقصیٰ کو یہودیوں کے حوالہ کرنے کی تجویز دے رہا ہے، تو کوئی حماس کے حملہ کی وجہ سے اسرائیل کے ساتھ ہونے والے معاہدے اور دوستی کے منصوبے کے پس پشت چلے جانے پر کف افسوس مل رہا ہے۔ کوئی زبانی مذمت تک محدود ہے، تو کوئی ملک خالی خولی دھمکیوں پر مکتفی ہے۔ کچھ کو حماس کے اسرائیل پر حملہ کا افسوس ہے تو کوئی اس طعنہ زنی میں مصروف ہے کہ جب لڑنے کی طاقت نہ تھی تو حملہ کیوں کیا؟ کئی ممالک کے لبوں پر مہر سکوت ثبت ہے۔

یہ بے چارے نہیں جانتے کہ حماس کے لوگ 7 اکتوبر 2023ء کو اسرائیل میں گھس کر ان یہودیوں کے گھروں میں نہیں بلکہ اپنے ہی غصب شدہ گھروں میں گئے اور جا کر غاصبین کو اپنے گھر چھوڑنے کا پیغام دیا، حماس نے عالمی قوتوں اور پڑوسی مسلم ممالک جو مسئلہ فلسطین کو عملاً دفن کر چکے تھے اور مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے درپے تھے کو اس حملہ سے پیغام دیا کہ مسئلہ فلسطین نہ حل ہوا ہے اور نہ ختم کیا جا سکتا ہے، بلکہ غاصبوں سے اہل فلسطین کی مقدس سرزمین اور مسجد اقصیٰ بہرصورت اہل اسلام نے حاصل کرنی ہے، نیز پچھتر (75) سالوں سے جاری لڑائی ختم نہیں ہوئی، ابھی جاری ہے، صیہونی قبضہ تسلیم نہیں کیا گیا، نہ ہضم کرنے دیا جائے گا، شاید اسی مقصد کے لیے حماس نے اس دفعہ اس خوں خوار سے ایک بڑی پنجہ آزمائی کی، اسرائیل پر غیر متوقع طور پر ایسا حملہ کیا جس کا دور دور تک اسرائیلی، امریکی خفیہ ایجنسیوں کو وہم و گمان تک بھی نہ تھا، ہر چند کہ اس حملہ کی حماس کو بہت بڑی قیمت چکانی پڑی، تاہم اس حملہ نے عالمی منصوبوں، سعودی عرب اور بعض ممالک کے اسرائیل سے ہونے والے معاہدوں اور مسئلہ فلسطین دفن کرنے کے منصوبوں کو بہرحال خاک میں ملا دیا۔

ایک جانب مسلم ریاستوں کے حکمران ہیں جو گومگو کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، اس کی وجہ ان کی مجبوریاں اور بین الاقوامی قوتوں کا دباو ہے۔ دوسری جانب ان مسلم ممالک کے عوام ہیں جو بہرحال اہل فلسطین کی حمایت اور یہود ملعون کی مذمت میں غضبناک ہیں، وہ دنیا بھر میں مظاہرے کر رہے ہیں، نماز فجر میں قنوت نازلہ کی صورت میں اپنے مسلمان بھائیوں کی نصرت و مدد اور یہود و نصاریٰ کی تباہی کے لیے دعائیں کر رہے ہیں، فلسطینیوں کی مدد کے لیے دل کھول کر عطیات دے رہے ہیں، اپنی اپنی حکومتوں پر اسرائیل کے خلاف اور اہل فلسطین کے حق میں پالیسی بنانے کے لیے دباو ڈال رہے ہیں، مسلم امہ فلسطین کی حمایت میں

یکجان بھی ہے اور یک سو بھی۔ اگر مختلف ممالک کی سرحدی پابندیاں نہ ہوں تو امت کے سپوت عملی جہاد کے لیے فلسطین کی آزادی اور مسجد اقصی کو یہود منحوس سے چھڑانے کے لیے فلسطین جا پہنچیں، اس لیے دنیا بھر کے حکمران نوشتہ دیوار پڑھ لیں کہ مسلم امہ اور انصاف پسند غیر مسلم طبقات بھی نہ صرف فلسطینیوں کے ساتھ ہیں، بلکہ اسرائیل کو غاصب، جابر، قاتل اور دہشت گرد بھی سمجھتے ہیں۔ مسلمان تو کجا انصاف پسند غیر مسلم بھی فلسطین کی حمایت اور اسرائیل کے خلاف احتجاج کناں ہیں۔

کیا مسجد اقصیٰ یہود کی ہے؟

مسجد اقصیٰ کا تنازعہ کیا ہے اور اسرائیل کی ریاست کیسے معرض وجود میں آئی؟ نیز یہ جائز ریاست ہے یا قابض؟ اسے قرآن وسنت اور تاریخ کے تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن وسنت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مسجد اقصی روئے ارض کی قائم شدہ دوسری مسجد ہے، جو مسجد حرام کی تعمیر کے چالیس سال بعد تعمیر کی گئی۔ صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ اَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ اَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْاَرْضِ اَوَّلَ؟ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصَى قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ اَرْبَعُونَ سَنَةً (صحیح بخاری:3366)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دنیا میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا (مکہ کی) مسجد حرام، میں نے عرض کیا پھر کون سی؟ آپ ﷺ نے فرمایا (بیت المقدس کی) مسجد اقصی۔ میں نے عرض کیا ان کے درمیان میں کتنا فاصلہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا چالیس سال۔

حدیث مذکور میں بیت اللہ (مسجد حرام) اور بیت المقدس کی تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے، شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس حدیث کی شرح میں اس امر کو ترجیح دی ہے کہ مسجد حرام کی تعمیر اول حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے فرمائی، انہیں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی سیر کرنے اور مسجد اقصی کی تعمیر کا حکم دیا، حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں مسجد اقصی کی تعمیر بھی فرمائی اور اس کے بعد عبادت بھی فرمائی۔ اسی طرح دونوں مساجد کی تعمیر کا فاصلہ چالیس سال ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصی کے بانی ومتولی اول حضرت آدم علیہ السلام تھے، تب نہ یہود کا وجود تھا اور نہ ہی باقی انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی تھی، طوفان نوح میں

بیت اللہ اٹھا لیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر نو کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم فرمایا، انہوں نے تعمیل حکم خداوندی میں بیت اللہ کی تعمیر فرمائی، اس تعمیر کا ذکر قرآن کریم میں ہے، ایسے ہی مسجد اقصی کی توسیع و تعمیر حضرت داود علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمائی، اس تعمیر کی جانب بھی قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے۔ قرآن کریم میں عیسائی بادشاہ کے ہاتھوں مسجد اقصیٰ کے تباہی اور یہودیوں کے کشت وخون، نیز اس قتل وغارت گری کی وجہ یہود کی بدعملیوں کا ذکر بھی موجود ہے۔

بعض اہل علم نے مسجد اقصی کی تعمیر کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب سے بھی کی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ نے معراج کے موقع پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا سفر کروایا، اس سفر کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ الاسراء میں مذکور ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الاسراء:1)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی، جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔

تب مسجد اقصیٰ، بیت المقدس اور ملحقہ شہر جسے اس زمانہ میں ایلیا کہا جاتا تھا، قیصر روم کے زیر اثر تھا، قیصر روم ہرقل عیسائی مذہب کا حامل تھا، ہرقل کا دارالحکومت تو رومتہ الکبری تھا، لیکن وہ عبادت کے لیے مسجد اقصی آتا جاتا تھا۔

سن 7 ہجری میں جناب رسول اللہ ﷺ نے شاہان عالم کو دعوت اسلام دینے کے لیے خطوط ارسال فرمائے، آپ ﷺ نے پہلا خط روم کے بادشاہ ہرقل کو ارسال فرمایا، تب ہرقل اپنی منت اور نذر کی تکمیل کے لیے حمص سے بیت المقدس پیدل سفر کر کے آیا تھا، یہیں پر اسے حضور ﷺ کا خط موصول ہوا۔ الغرض تب مسجد اقصی یہود کے پاس نہیں، بلکہ نصاری کے پاس تھی۔

معراج کے موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ کو مسجد اقصی لا کر جملہ انبیاء علیہم السلام کی امامت کروائی گئی، حدیث نبوی کے مطابق آپ صلی ﷺ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ مسجد اقصی میں داخل ہوئے، یہاں جملہ انبیاء علیہم السلام پہلے سے موجود تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔ (مسند احمد)

دراصل جناب رسول اللہ ﷺ کو مسجد اقصیٰ کا مصلیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی امامت سونپ کر مسجد اقصیٰ کی تولیت سونپی گئی، منشائے خداوندی یہی تھی کہ ملک شام میں حضور ﷺ کی حکومت ہو اور مسجد اقصیٰ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے سپرد ہو، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کے سامنے روشنی نمودار ہوئی جس میں انہوں نے شام کے محلات دیکھے، انہیں روشنیوں میں آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے یمن، فارس اور روم کے محلات بھی دیکھے۔ (نقوش مصطفیٰ جلد اول:113)

جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق پیشین گوئیوں میں ملکہ بالشام یعنی آپ کا ملک شام میں ہوگا، آیا ہے۔ تب مسجد اقصی شام کا حصہ تھی، آپ ﷺ کو بھی غزوہ احزاب کے موقع پر چٹان توڑتے ہوئے روشنیوں میں دیگر ممالک کی طرح شام کے محلات دکھا دیے گئے، اس سے اشارہ تھا کہ آپ ﷺ کی سلطنت شام تک وسیع ہوگی۔ (نقوش مصطفیٰ جلد دوم:489)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق ملک شام حاصل فرمایا، نیز مسجد اقصی اور ایلیاء کے حصول کے لیے خود بیت المقدس کا سفر فرمایا، تب بھی یہاں کی آبادی اور مسجد اقصیٰ کی تولیت عیسائیوں کے پاس تھی، عیسائیوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بلاواسطہ معاہدہ کر کے مسجد اقصی بغیر جنگ کے حضرت عمر کے حوالہ کی، یہ معاہدہ کتب تاریخ میں درج ذیل الفاظ سے مذکور ہے:

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیمِ۔ھذا ما اعطی عبدُ اللہِ عُمَرُ امیرُ المُومِنینَ اھْلَ إیْلیاءِ مِن الامانِ؛ اعْطاھم امانًا لانْفُسِھم وامْوالِھم، ولكَنائِسِھم وصُلْبانِھم، وسَقيمِها وبَريئِها وسائِرِ مِلَّتِها، انَّه لا تُسكَنُ كَنائِسُھم ولا تُهدَمُ، ولا يُنْتقَصُ مِنها ولا مِن حَيِّزِها، ولا مِن صَليبِھم، ولا مِن شيءٍ مِن امْوالِھم، ولا يُكرَھونَ على دينِھم، ولا يُضارُّ احَدٌ مِنھم، ولا يَسكُنُ بإيْلياءِ معَھم احَدٌ مِن اليَھودِ وعلى اھْلِ إيْلياءِ ان يُعْطوا الجِزْيَةَ كما يُعْطى اھْلُ المَدائِنِ، وعليھم ان يُخرِجوا مِنها الرُّومَ واللُّصوصَ، فمَن خَرَجَ مِنھم فإنَّه آمِنٌ على نفْسِه ومالِه حتّٰى يَبلُغوا مَامَنَھم، ومَن اقامَ مِنھم فھو آمِنٌ، وعليه مِثلُ ما على اھْلِ إيْلياءِ مِن الجِزْيةِ، ومَن احَبَّ مِن اھْلِ إيْلياءِ ان يَسيرَ بنفْسِه ومالِه معَ الرُّومِ ويُخلِّيَ بِيَعَھم وصُلُبَھم فإنَّھم آمِنونَ على انْفُسِھم وعلى بِيَعِھم وصُلُبِھم، حتّٰى يَبْلُغوا مَامَنَھم، ومَن كانَ بها مِن اھْلِ الارْضِ قبلَ مَقتَلِ فُلانٍ، فمَن شاءَ مِنھم قَعَدَ وعليه مِثلُ ما على اھْلِ إيْلياءِ مِن

الجِزْيَةِ، ومَن شاء سارَ معَ الرُّومِ، ومَن شاء رَجَعَ إلى اهْلِه فإنَّه لا يُوخَذُ مِنهم شيءٌ حتّٰى يُحصَدَ حصادُهم وعلى ما في هذا الكِتابِ عَهْدُ اللهِ وذِمَّةُ رَسولِه وذِمَّةُ الخُلَفاءِ وذِمَّةُ المُومِنينَ إذا اعْطَوا الّذي عليهم مِن الجِزْيَةِ.شَهِدَ على ذلك خالِدُ بنُ الوَليدِ، وعَمْرُو بنُ العاصِ، وعبْدُ الرَّحمٰنِ بنُ عَوْفٍ، ومُعاوِيَةُ بنُ ابي سُفْيانَ

(تاریخ طبری:2/449)

یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، اس طرح پر کہ ان کے گرجاوں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے (یہود کو بیت المقدس میں آباد نہیں کیا جائے گا) ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں، ان رومیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا، اس کی جان اور مال کو امن ہے تا کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرلے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر رومیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاوں کو اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے، اس پر خدا کا، اس کے رسول کا، خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرط یہ کہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں، اس تحریر پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم گواہ ہیں۔

اس معاہدہ کے تحت عیسائیوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ مسجد اقصیٰ کے گردو پیش میں یہودیوں کی آبادکاری نہیں کی جائے گی، مذکورہ بالا تفصیل اور معاہدہ سے معلوم ہوا کہ مسجد اقصیٰ سے یہود کا کوئی تعلق نہیں رہا، اہل اسلام نے عیسائیوں سے مسجد اقصیٰ حاصل کی اور پھر صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے مسجد اقصیٰ پر قبضہ کی کوشش کی جسے صلاح الدین ایوبی مرحوم نے دوبارہ حاصل فرمایا، تب بھی یہود اس معاملہ میں فریق نہ تھے، اس لیے یہودیوں کا اس مسجد سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے۔

البتہ 1917ء میں پہلی جنگ عظیم کے وقت غداران وطن مسلمانوں کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کی شکست کے بعد پورا عالم عرب بشمول مسجد اقصیٰ سلطنت عثمانیہ کے ہاتھ سے نکل گیا، شریف حسین آف مکہ

اور اس کے دیگر حواریوں کی وجہ سے عالم عرب مختلف ریاستوں میں تقسیم ہوگیا، اردن، سعودی عرب، شام، عراق، فلسطین، عمان، کویت، قطر وغیرہ ممالک معرض وجود میں آ گئے۔ یروشلم (بیت المقدس) پر ترکیوں نے دشمنوں کے خلاف سخت جنگ لڑی، نتیجہ میں 25 ہزار مسلمان فوجی شہید ہو گئے، لیکن عربوں کی بغاوت کی وجہ سے یروشلم ہاتھ سے نکل گیا۔

1917ء میں بالفور اعلامیہ کے تحت فاتح قوم برطانیہ نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی گھر قرار دینے کا فیصلہ کیا، 1920ء سے 1940ء کے درمیان دنیا بھر کے یہودیوں کو برطانیہ کی سرپرستی میں یہاں آباد کیا گیا۔ 1947ء میں ایک جانب مسلم ریاست پاکستان معرض وجود میں آئی تو دوسری جانب اقوام متحدہ نے فلسطین کو دو الگ الگ یہودی اور عرب ریاستوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا، نیز بیت المقدس کو بین الاقوامی شہر قرار دیا، مسلمانوں نے اقوام متحدہ کے اس غاصبانہ فیصلہ کو مسترد کیا لیکن طے شدہ منصوبے کے تحت 1948ء میں برطانیہ نے علاقہ کا کنٹرول یہودیوں کے حوالہ کر کے علاقہ چھوڑ دیا، یوں اسرائیل کی ناجائز ریاست قائم ہوگئی، تب یہودیوں اور مسلمانوں میں جنگ شروع ہوئی۔ یہ جنگ 1949ء میں ختم ہوئی، اسرائیل بیشتر فلسطینی علاقوں پر قبضہ کر چکا تھا، عالمی طاقتوں نے بھرپور انداز میں اسرائیل کا ساتھ دیا، یوں عالمی قوتوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنا پالتو بچہ اس علاقہ میں پالنا شروع کر دیا، 1967ء میں ایک بار پھر عرب اسرائیل جنگ ہوئی، جس کے نتیجے میں اسرائیل مشرقی بیت المقدس، غرب اردن اور شام کی طرف گولان کی پہاڑیوں پر بھی قابض ہوگیا۔ گذشتہ 50 سالوں سے اسرائیل، عرب خطہ میں نئی نئی بستیاں بنا کر یہودیوں کی آبادکاری کر رہا ہے اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر رہا ہے۔ نتیجتاً اب مسلمان غزہ کی 41 کلومیٹر لمبی اور 10 کلومیٹر چوڑی پٹی تک محدود ہو گئے ہیں۔

اسی بستی پر جنگ مسلط ہے، اسرائیل اس بستی میں رہائش پذیر 20 لاکھ سے زائد کی آبادی کو نسل کشی کے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے اور عالمی طاقتیں اس منصوبہ میں اس کی ہم نوا اور مددگار ہیں، ایسے میں انسانی حقوق کے دعوی داروں کی منافقت کھل کر سامنے آ چکی ہے۔

اہل اسلام کو اس صورت حال میں جرات مندانہ اور بصیرت پر مبنی اقدام کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ مستقل بنیادوں پر مسئلہ فلسطین کے پائیدار حل کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

……◆……

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا سید فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ و نائب مدیر ماہنامہ محدث عصر، دیوبند

تعطیل امتحان ششماہی امتحان ششماہی کے پہلے مرحلے کی تکمیل کے ساتھ ہی جامعہ میں ششماہی تعطیل عام ہوگئی۔ دفتر تعلیمات کے اعلامیے کے مطابق یہ چھٹی 22/ستمبر سے 2/اکتوبر تک جاری رہی۔ امتحان کا اگلا مرحلہ اختتام تعطیل کے بعد شروع ہوکر مکمل ہوا۔ ہر جماعت کی ایک کتاب کا امتحان تقریری تھا، جو 3/اکتوبر کو منعقد ہوا۔ رخصت پر گئے تمام طلبہ 2/اکتوبر کو ہی پہونچ گئے تھے۔ سارے اساتذہ بھی بر وقت جامعہ تشریف لے آئے تھے۔ خیال رہے کہ جامعہ کا ششماہی امتحان کئی برسوں سے دو مرحلوں میں ہوتا ہے۔ اس سے طلبہ کی حاضری صد فی صد رہتی ہے۔ آخری کتاب میں غیر حاضر طلبہ کو موقع نہیں دیا جاتا۔

ششماہی کے بعد تعلیم کا آغاز

ششماہی امتحان کی تعطیل ختم ہوتے ہی اور آخری مرحلے کا امتحان مکمل ہوتے ہی روز سنیچر سے تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ طلبہ اور اساتذہ اپنے اپنے تعلیمی و تدریسی معمولات میں مشغول ہوگئے۔ نظام تعلیم و تربیت پہلے کی طرح گرم سفر ہوگیا۔ دارالاقامہ اور مطبخ بھی اپنی اپنی ذمے داریاں ادا کرنے لگے۔ اللہ کرے کہ جامعہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو اور دین اسلام کی حسبِ ماضی گراں قدر خدمات انجام دیتا رہے۔

رواق انظر کی تعمیر جاری

جامعہ کے نئے دارالاقامہ کی تعمیر کئی برسوں سے جاری ہے۔ الحمدللہ پہلی منزل کے کئی کمرے تیار ہوکر طلبہ کو اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے طلبہ کی ایک بہت بڑی تعداد کی رہائش کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ ابھی کئی کمرے شرمندۂ تکمیل ہیں۔ ان کمروں کی تکمیل کے لیے قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

احقر سید فضیل احمد ناصری کا دعوتی سفر

اہلِ گجرات کی دعوت پر احقر سید فضیل احمد ناصری نے گجرات کا ہفت روزہ دعوتی سفر کیا۔ اس دوران شمالی گجرات کے ضلع سابر کانٹھا میں متعدد اجلاس ہوئے، جن سے دین کی بات کرنے کا زریں موقع ملا۔ داہود کی مسجد فاطمہ میں بھی ایک بڑے مجمع سے گفتگو رہی۔ اس سفر کے اصل محرک مولانا محمد سابر کانٹھا تھے۔ موصوف جامعہ ہذا سے بڑا تعلق رکھتے ہیں۔ اس دوران داہود میں ایک مدرسے کا سنگِ بنیاد بھی رکھا گیا۔ خاکسار نے تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کیا۔

واردین وصادرین

جامعہ میں مہمانوں کی آمد سال بھر ہوتی رہتی ہے، جو ادارے کی روز افزوں ترقی سے متاثر ہو کر جاتے ہیں۔ گزشتہ ماہ بھی ملک و بیرون ملک سے متعدد مہمانانِ گرامی تشریف لائے جنہوں نے جامعہ کا معائنہ کیا اور اس کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں کو دل کھول کر سراہا۔

مہمانانِ مکرم نے امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ اور بانیٔ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ کو خراجِ عقیدت پیش کیا، اس کے ساتھ ہی رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ کو مبارکباد دی۔

……✦……

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Vol. 22 Issue 03/May-July/2024
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

Oct - Nov 2024



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دار الاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دار الاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND